Title - GUDIYA KA GHAR.

Creator - Abdul Shakoor.

Publisher - Matba Aligarh Printing works (Aligarh)

Date - 1928.

Pages - 184

Subjects - Urdu Drama.

١٦٠

سلسلہ مطبوعاتِ مجالسِ ادبیہ

انٹرمیڈیٹ کالج - مسلم یونیورسٹی

گڑیا کا گھر

یعنی

ابسن کے معرکۃ الآرا ڈرامہ ڈالس ہاؤس کا مشرقی چربہ

از

عبد الشکور - ایم - اے ، بی - ٹی

لکچرار - انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ

مع مقدمہ

نوشتہ

پروفیسر بشیر احمد ہاشمی - ایم - اے ، ایم - ایڈ (لیڈس)

مطبع علی گڑھ پرنٹنگ ورکس علی گڑھ میں طبع ہوا

ناشر شیخ عبد الرشید ایم - اے ال ال بی

۔ ایکہزار

۳/۱۰

تہدیہ

اس ڈرامے کے اجزار پریشاں کو میں کمال خلوص وادب کے سا
اس مجسّمۂ صدق وصفا، و پیکرِ حلم ووفا کے نامِ نامی کے ساتھ اجا
کے بغیر معنون کرتا ہوں جو اربابِ نظر کی نگاہ میں علی گڑھ کی ایک نہ
اعلیٰ اور بلند پایہ "پیداوار" ہے

اور

جو عرفِ عام میں

عبدالمجید قریشی کے نام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

خاکسار
عبدالشکور

شکریہ

اس ڈرامہ کی ترتیب و نظر ثانی میں جناب بشیر احمد صاحب ہاشمی، جناب شیخ
عبدالرشید صاحب اور جناب رشید احمد صاحب صدیقی وقتاً فوقتاً میرے معین
و مددگار ثابت ہوئے، اس کام کی ترغیب دینے اور مقدمہ لکھنے کا سہرا ہاشمی صاحب
کے سر ہے۔ شیخ صاحب کو مجالس ادبیہ انٹرمیڈیٹ کالج کے جنرل سیکرٹری
کی حیثیت سے بہت کچھ جانفشانی کرنی پڑی، اس کے علاوہ رشید صاحب
صدیقی نے کمال مہربانی سے نظر ثانی فرمائی، ان حضرات کی خدمت میں اح
اور خلوص کے ساتھ شکریہ عرض کرتا ہوں۔

خاکسار
عبدالشکور

۱۔ منٹو بی
علی گڑھ ۱۷ر جون ۱۹۲۸ء
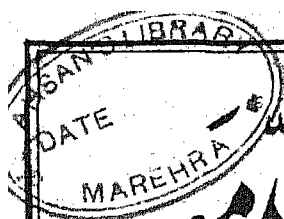
مقدمہ

یہ چند صفحات نہ تمہیدی ہیں اور نہ تنقیدی - ان کا مقصد "گڑیا کا گھر"
اور اُس کے مصنف کو متعارف کرانا ہی -

ہنرک اِبسن کی متعدد تصانیف - نظمیں - مضامین اور ڈرامے پر
مشتمل ہیں لیکن ہندوستان کی انگریزی داں جماعت اِبسن کو صرف ڈراما
نویس ہی کی حیثیت سے جانتی ہی - اور اس تعلق شناسائی کا دارومدار
بیشتر "گڑیا کا گھر" پر ہے

دستورِ تعارف اس امر کا متقاضی ہی کہ مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی - اسکی
تصانیف پر عمومی تنقید اور تصنیفِ متعلقہ پر مکمل تبصرہ کیا جائے - مگر میں
اس سُنّت کی تمامی تقلید نہیں کیا چاہتا -

تعصّب سے زیادہ آسان دُنیا میں شاید کوئی اور شئے نہیں -

مجھے یقین ہی کہ ہماری موجودہ تنقید کا دامن افراط و تفریط سے پاک نہیں۔ یا تو نقاد مدح سرائی کو مقصد تنقید بنا لیتا ہی یا تنقید اور تنقیص میں کوئی امتیاز ہی نہیں کرتا۔ غالب کی مثال ہمارے سامنے ہی۔ ایک جماعت اُس کی مدح سرائی میں اس درجہ محو ہے کہ اصلیت سے آنکھیں بند کر بیٹھی ہے۔ اور دوسری اس درجہ تخریب پر تُلی ہوئی ہی کہ بیچارے غالب کو ہزرہ سرا کہتی ہی۔ لیکن تنقید کا تقریر سے کوئی تعلق نہیں۔ شاعر یا ادیب کو مدعا علیہ سمجھ لینے سے ہم شعر اور ادب کو جو حقیقتاً ایک ماحول ہی یا الہام صرف ایک کب کے درجہ پر لا ڈالتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فنون لطیف انسانی زندگی اور اُس کے اُصولوں سے بے تعلق ہی۔ مثلاً "گڑیا کا گھر" لیجئے۔ ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ مسئلہ ازدواج یا حقوق نسواں پر بحث کی جائے۔ یہ صرف ایک کوشش ہی کہ جو ہماری زندگی کے ایک پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس روشنی کو میں آرٹ

سمجھتا ہوں اور ان روشن ہو جانے والے حالات کو آرٹ کا اثر

ہنرک اِبسن ۲۰ مارچ ۱۸۲۸ء کو بمقام برزن (ناروے)

میں پیدا ہوا۔ اِبسن ایام طفولیت میں کوئی غیر معمولی شخصیت نہ تھا۔ ہزاروں بچوں کی طرح کہ جن کے مواقعات زندگی انھیں آیندہ عمر میں تخلیقاتی زندگی کی نشو و نما سے باز رکھتے ہیں۔ اِبسن کی زندگی بھی شروع ہوئی۔ مگر یہ بات قابلِ ذکر ہی کہ اِبسن میں قوت متخیلہ بچپن ہی سے بہت زیادہ تھی۔ اسے مصوری سے عشق تھا۔ اور وہ اکثر اسی شغل لطیف میں اپنے فرصت کے لمحات صرف کیا کرتا تھا۔ والدین کی تنگدستی کے باعث وہ اس فن کی تعلیم حاصل نہ کر سکا اور پندرہ برس کی عمر میں ایک طبیب کی ملازمت اختیار کرنا پڑی ہمیں معلوم نہیں کہ اِسے اس فن سے کس قدر دلچسپی تھی۔ مگر ہاں یہ کہا جا سکتا ہی کہ وہ اُسے ناپسند نہ کرتا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہی کہ اس نے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر کرسٹیانا یونیورسٹی کے میٹرکولیشن امتحان کے لئے تیاری اس غرض

شروع کر دی کہ وہ آیندہ طبابت کی تعلیم حاصل کر سکے۔

اِبسن کی مصنفانہ قوتّں کی نشو و نما بتدریج ہوئی۔ اس نے
۱۸۴۸ء میں سیاسی جذبات کے ماتحت چند نظمیں لکھیں اور اس نے
اپنا پہلا ڈراما اکیس برس کی عمر میں تصنیف کیا۔ لیکن خود اسکے بیان کے
مطابق اس کی اُس زمانہ کی تصانیف محض تفریحی اور تجرباتی وجوہات
کے باعث وجود میں آئیں۔

۱۸۵۰ء میں اِبسن کرسٹیانا میں سکونت پذیر تھا۔ اس کے ایک
دوست نے کہ جو اُس کی تصانیف کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتا تھا۔
اس کے پہلے ڈرامے کیٹالینا کو اسی سال شائع کرایا۔ اس سے اُنھیں
کچھ فائدہ نہ ہوا اور نہ عوام نے اس کی کچھ قدر کی۔ مگر دارالسلطنت
میں رہنے سے اِبسن کو یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ اس کی ملاقات ملک کے
مشہور آدمیوں مثلاً جورساں۔ ونترے وغیرہ سے ہو گئی۔ اخبار
نویسی اور ڈراما نویسی اس کے مستقل اشغال ہو گئے۔ مگر ان کی

قسمت صرف وقتی تھی اور اس سے اِبسن کے کمالِ فن میں کوئی اضافہ نہ ہوا اسی سال ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ ایک مشہور سازندہ نے اِبسن کے وطن یعنی بیرزن میں ایک ملکی تھیٹر قائم کیا اور اِبسن کو اُس میں بہ حیثیت تھیٹر کے شاعر کے ملازم رکھ لیا۔ آیندہ چھ سال تک اِبسن کے تعلقات اسی تھیٹر سے قائم رہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اِبسن کی تمامتر معلومات تھیٹر کے متعلق اسی جگہ حاصل کی گئی۔ ڈرامے کہ جو اِبسن نے برزن تھیٹر کے لئے تصنیف کئے بہت مختلف الحیثیت ہیں۔ اس کا اولین ڈرامہ سینٹ جان کی رات کبھی شائع نہ ہوا اور بالکل ناکام ثابت ہوا۔ متواتر پانچ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ ۱۸۵۵ء میں اس نے سول ہگ کی دعوت میں ایک ڈراما لکھا اور اُسی سال اُس کی ملاقات سوزانا داز تھورسن سے ہوئی کہ جس سے دو سال بعد اِبسن نے شادی کر لی۔

اِبسن کی ازدواجی زندگی کے حالات پر وثوق کے ساتھ کچھ نہیں

کہا جا سکتا۔ نہ اُس کی تصانیف سے اس کے متعلق کچھ استنباط کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی بیوی اور بہن کے اطوار اور عادات سے ابسن نے اپنے ڈراموں میں نسوانی کیرکٹر کی تخلیق میں فائدہ اُٹھایا۔ صحیح المزاج۔ کھری اور بیباک قسم کی عورتیں نیک، حلیم الطبع، مستقل مزاج اور وفادار عورتیں کہ جن کا ذکر ابسن کے ڈراموں میں بار بار آتا ہے انھیں دو شخصیتوں کے طبائع کے مرقعے ہیں۔

شادی کے بعد ابسن کی مالی حالت بہت نازک ہو گئی۔ برزن تھیٹر کی ملازمت سے۔ کہ جہاں اس کی سالانہ تنخواہ تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی۔ دست بردار ہو کر وہ پھر کرسٹیانا آگیا اور یہاں ناروی چین تھیٹر میں اس سے دُگنی تنخواہ پہ ملازم ہو گیا۔ مگر اس تنخواہ سے بھی کہ جو ہر چند اس کی پہلی آمدنی سے دُگنی تھی اس کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے تھے۔ ۱۸۶۲ء میں اُس تھیٹر کا دیوالہ نکل گیا۔ اور

ابسن کی رہی سہی امید اور سہارا بھی جاتا رہا۔ آخرکار جنوری ۱۸۶۳ء

میں ابسن نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا

جائے۔ یہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ چند ماہ بعد ابسن نے پھر

۱۶۰ پونڈ سالانہ کے وظیفہ کے لئے درخواست پیش کی اور اس مرتبہ

اس کا نوّے پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ عطائیگی وظیفہ کی منشا کے

مطابق ۱۸۶۴ء میں ابسن روم (اٹلی) کو روانہ ہو گیا۔

اس وظیفہ کی مقدار فی زمانہ نہایت ہی قلیل معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اس زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کافی معقول رقم تھی

ابسن کو وطن سے دور پہنچکر وطن کے حالات پر غور کرنے کا یہ پہلا موقع

ملا۔ اور اس کی اہمیت صرف اس کے ڈراموں سے واضح ہوتی ہے

ناروے کے مناظر قدرت اور وہاں کی زندگی کے جو وسیع اور دقیق

مرقعے ہیں ابسن کے ڈراموں "برانڈ" اور "پیرجنٹ" میں ملتے ہیں

وہ اسی سفر اور غربت کی بدولت ہیں۔

۱۸۶۴ء میں جب اِبسن ناروے سے روانہ ہوا تو اس کا ملک نزاع اندرونی اور ایک عام بدنظمی کے مہلک امراض میں مبتلا تھا اس زمانہ کے تاریخی حالات ناروے کی بہت بُری حالت کا مرقع پیش کرتے ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اِبسن کا احساس دل اِن واقعات اور حالات سے کس درجہ اثر پذیر ہوا ہوگا۔ ابسن سرہنگ پیشہ نہ تھا۔ لیکن وہ ایک جنگجو شاعر ضرور رہا۔ اُس نے اپنی تمام زندگی قلیل التعداد اور کمزور طبقوں کے لئے جہاد میں اور اُن کی فتح کے گیت گانے میں صرف کر دی۔ وہ استبداد کا دشمن تھا۔ اور اس کی تمامتر کوشش یہ تھی کہ ملک اور افراد کو جمود کی نیند سے جھنجھوڑ کر ہشیار کر دے۔

بدقسمتی سے میرے مواقع اس قدر محدود ہیں کہ میں ابسن کے ڈراموں پر جو اس زمانے میں اُس نے تصنیف کئے ایک اجمالی تنقید کرنے پر بھی قادر نہیں یہاں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہوگا کہ ۱۸۷۰ء تک

اِبسن ہر سال کم وبیش دو نئے ڈرامے تصنیف کرتا رہا۔ یورپ کے مختلف ممالک میں اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اور سوائے ڈراما نویسی کے اور کوئی شغل نہ کیا۔ اس جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اِبسن نے اب ڈرامے بجائے نظم کے نثر میں تحریر کرنے شروع کئے یہ بذاتِ خود ایک مستقل مبحث ہے کہ ڈرامے کی ارتقائی حالت نظم ہے یا نثر مجھے اس بحث سے اس وقت سروکار نہیں میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ معاشرتی ڈراموں کے لئے نثر ہی موزوں ہے۔

۱۸۷۸-۹ء میں اِبسن نے "گڑیا کا گھر" تصنیف کیا۔ اس ڈراما ڈرامے کی تصنیف روم (اٹلی) میں شروع کی تھی۔ مگر کچھ مدت بعد بغرض سیاحت وہ میونک چلا گیا مگر وہاں اس نے صرف چھ مہینے قیام کیا تھا کہ پھر اسے روم کی محبت اور اس سرزمینِ شاعری کی کشش نے بیتاب کر دیا۔ اور وہ روم واپس آ گیا۔ ابسن پر اپنے ماحول اور فضا کا بہت اثر پڑتا تھا اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے

کہ خیالات کی پرورش صرف ماحول ہی کی بدولت ہوتی ہے۔ میرا
خیال ہے کہ "گڑیا کا گھر" کا چھلکتا ہوا ماحول روم کی نشاط پرور فضا
کا صدقہ ہے۔ نوشابہ کی محبت بھری ہنسی روم کی شاداب چمن کی رہین
منت ہے نہ کہ ناروے کے برف پوش سفید و سرد پہاڑوں کی۔

ابسن کی زندگی لطف سیاحت اور لذت تصنیف میں بسر ہوتی
رہی۔ دی ماسٹر بلڈر، نہما ای، اُولف، جان گبریل بورک میں۔
جب ہم موئے زندہ ہوں گے وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے شائع ہوتے
رہے۔ اور سچ پوچھئے تو آخری دم تک ابسن کا ہی مشغلہ رہا۔ اس کے
دماغی قوت صحیح رہی۔ حتیٰ کہ ان میں انحطاط تک کے آثار بھی نظر
نہیں آتے۔ ابسن کا آخری ڈرامہ جب ہم مُوئے زندہ ہوں گے
۹۹-۱۸۹۸ء میں شائع ہوا۔ مارچ ۱۹۰۰ء میں اس کا ارادہ تھا کہ وہ ایک
اور ڈرامہ لکھے کہ جس میں بقول خود وہ نیا زرہ بکتر پہن کر اور نئے اسلحہ
لگا کر میدان جنگ میں آنا چاہتا تھا۔ مگر اسے مرض نے آ دبایا اور آخر کار اس

حق کے لئے جنگ کرنے والے سپاہی نے ۲۴ مئی ۱۹۰۰ء میں اپنی جان
جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ ابسن کے ظاہری حالات سے قطع نظر کرنے کے بعد
اس کے اصلی مسلک اور مشرب کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل نظر آتا ہے۔
جو اطلاعات پیش نظر ہیں وہ اس درجہ قلیل اور بعض اوقات اس درجہ
متناقض ثابت ہوتی ہیں کہ کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ مگر
چند باتیں ایسی ہیں کہ جن پر ہم ناطق اور حتمی طور سے رائے زنی کر سکتے ہیں
ابسن میں ماسوائے خود سے بے پرواہی ایک خفیف سی نفس پروری
کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کمزوری کا اسے خود بھی احساس تھا اور اس نے
اس کا تدارک عوام میں ایک گہری دلچسپی پیدا کر کے کیا۔ لیکن باوجود اس کے
اسے اپنے عیال و اطفال سے وہ تعلق نہ تھا کہ جو ہونا چاہیئے۔ میں یہ تسلیم
کر سکتا ہوں کہ ابسن کے لئے ناروے سے جانا ضروری تھا۔ لیکن اس نے
اپنے خاندان والوں سے کبھی خط و کتابت تک بھی نہ کی کہ جو ایسا تعلق تھا
کہ باوجود بعد مکانی کے قائم رکھا جا سکتا تھا۔

سخت گیری ابسن کا فلسفہ زندگی تھا کہ جسے اس کو بدلنا پڑا۔ اور کچھ مدت کے بعد اسے یہ معلوم ہوگیا کہ فرائض جبر یہ کے عوض محبت کا احساس زندگی کو کامیاب تر بنا دیتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ ابسن کے خیالات میں ملائمت پیدا ہوتی چلی گئی۔ خود پرستی اور سخت گیری پر احساس فرائض اور اس سے زیادہ احساس محبت و رواداری استیلا پائے گئے۔ ایک طرف اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی بیوی اور بہن سے ایک گونہ بے پروائی اختیار کی تو دوسری طرف یہ تماشا نظر آتا ہے کہ ابسن قسب و روز دوست پرستی میں منہمک ہے۔ اس درشتی اور ملائمت کے اجزا اس کی ظاہرا زندگی سے بڑھ کر اس کے دل اور دماغ میں کہ جس کی بدولت اس کی تصانیف پرورش پاتی رہیں سرایت کر گئے۔ مثال کے طور پر میں یہ نظریہ قائم کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ابسن کے ڈرامے۔ فن و دستور ڈرامانویسی کی بہترین اور صحیح مثالیں اس وجہ سے ہیں کہ ابسن کا سخت گیر نقطہ نظر قواعد قوانین کی پابندی کو حیات انسانی کا جزو لاینفک سمجھتا تھا۔ اس کے ڈرامے

پڑھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہوشیار اور پابند دستور کاریگر کی طرح صرف اسی شے کی تخلیق کے درپے ہے کہ جو قواعدِ فن کی رو سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ اب دوسری طرف اس کے وہ کیریکٹر ملاحظہ کیجئے کہ جو انسانی مزاج کے متضاد پہلوؤں کو پیش کر سکتے ہیں بحیثیت شوہر کے۔ بحیثیت عاشق کے۔ بحیثیت دوست کے ابسن کے کیرکٹر اس کے ڈراموں کے ہیولے کو ایک نرم و نازک۔ خوش رنگ و پاجرہ افروز لباس سے ملبس کرتے ہیں کہ جو اپنی نزاکت میں پھولوں کی خوشبو اور اپنے مستانہ واقعیت میں سمندر کے سنکتی ہوئی موجوں کے متشابہ ہے۔ اس کے ڈرامے ان خصوصیات کے باعث ڈراموں کی حیثیت سے بالاتر ہو کر ڈرامے اور اس محبت بھرے گیت کی طرح کہ جو غیر شخصی معشوق سے خطاب کر رہا ہو۔ پہنچ جاتے ہیں۔

ابسن کی تیسری شخصی خصوصیت اس کی صوفی منشی۔ اور شعر پرستی کے امتزاج سے رونما ہوئی۔ اور اسی باعث وہ ہمیشہ غیر جانبدار اور

حق پرست رہا۔ سلطنت کے نقائص اور استبداد نوعی کی مخالفت اُس نے ضرور کی لیکن کسی پارٹی میں شرکت اور اُس کے اُصول کار پر کاربندی نہ اختیار کی۔ اس کی شاعری اور طریقہ مزاج کامیاب حربوں کی صورت سکینڈے نے دی آ کی سوسائٹی پر نکتہ چینی کرتے رہے۔ اِبسن اُن نادراوجود شخصیتوں میں سے تھا کہ جو بغیر کسی کوشش کے اپنے ہمعصروں سے پیش پیش رہتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے کی کتابیں اس وجہ سے پڑھنے سے بچتا رہا کہ اِس ضرورت سے زیادہ مہذب بنا دینے والے زمانے میں قوت تخیل نہ کہ تعلیم کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ تہذیب اور اس کی ہماری آنکھیں اصلی مردوں، اصلی عورتوں اور مناظرِ قدرت کے اصلی شاہکاروں کی طرف سے بند کر دیتی ہے۔ لیکن اِس سے یہ مطلب نہیں کہ اِبسن رسمی تعلیم و تعلّم کے خلاف تھا۔ وہ صرف اس درجہ تک تہذیب۔ تعلیم اور ران دو کے ضروریات کا معتقد تھا کہ جہاں تک یہ اِنسان کی اصلی قوتوں پر پردہ غفلت ڈال دیتے۔

جس قدر آپ اِبسن کی تصانیف کا مطالعہ زیادہ فرمائیں اُسی قدر آپ کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ ابسن نے اپنی ذات، شخصیت او اپنے فلسفہ کا بہترین حصہ یعنی "قطرۂ خونِ دل" اپنی تصانیف میں نکال کر رکھ دیا ہے - اس کا یہ احساس کہ دنیا میں کوئی شئے شخصی تعلقات کی نزاکت، محبت، اور قوت سے زیادہ اہم نہیں اس نے مختلف پیرائے میں پیش کیا ہے - دوست دوست کے تعلقات زن و شوہر کے تعلقات باپ بیٹے کے تعلقات - غرضیکہ مختلف کیفیات کے ماتحت مختلف اسالیب سے یہ بات پیش کی گئی ہے کہ ان تعلقات کا احترام عمدہ پُرسکون مطمئن زندگی کا ضامن ہے - ہرچند کہ میں اِبسن کو اُس کے کسی کیرکٹر کا قطعی مرقع نہیں کہہ سکتا مگر اس عرض کر دینے میں مجھے تامل نہیں کہ اِبسن کا مذکورۂ بالا نظریہ اور اُس کے کیرکٹروں کا اجتہادی طرزِ عمل اُس کی ایک شخصی خصوصیت تھی - اور یہ اُس کے فنِ ڈراما نویسی کا کمال ہی کہ ہمیں زندگی کے سخت و نرم ہر پہلو میں جد و جہد و محبت و رواداری پہلو بہ پہلو مفید نہ کہ متناقض

حالت میں نظر آتے ہیں۔

اپنے ارادے کے خلاف اس تمہید کو یہ طول دے بیٹھا۔ اور اس لئے اب بغیر کسی تمہید کے "گڑیا کا گھر" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور یہ اُمید رکھتا ہوں کہ قارئین کرام اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے "گڑیا کا گھر" کا مطالعہ فرمائیں گے۔

میرے چند دوستوں نے "گڑیا کا گھر" پڑھ کر بے اختیار کہا کہ واقعی اس ڈرامے میں کوئی غیر معمولی واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ اور ہرچند کہ یورپین معاشرت میں ایسے واقعات کہ جن میں بیوی نے شوہر کے لئے اس قدر ایثار کیا ہو۔ روزمرہ کی زندگی میں نہ ملتے ہوں لیکن ہندوستان میں یہ اکثر درپیش آتے ہیں۔ مجھے بھی اس امر کے تسلیم کرنے میں تامّل نہیں۔ لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ باوجود ازدواجی زندگی کے اس نتیجے کے پیش نظر ہونے کے کس طرح یورپین مرد شادیاں کر لیتے ہیں اور ہندوستانی شوہراُن بزدلانہ اور ذلیل حرکات سے باز نہیں رہتے۔ ہر روز ایسے

نکاح وقوع میں آتے ہیں۔ ہر روز ایک شوہر جس کا اچھا نمونہ مرزا ہی۔ گھر ایسی بیوی کے پاس جیسی نوشابہ ہی جاتا ہی۔ ان کا تعلق صرف جسمانی اور جذباتی ہوتا ہی۔ انھیں ایک دوسرے کے علم۔ ضروریات دماغی۔ غرضیکہ خصائص زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہی کہ مدت کے استبداد کے باعث شوہر اور بیوی کے نقطہ خیال میں تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں اور سوسائیٹی کو بہ حیثیت اجتماعی اس کا احساس نہیں ہوتا۔ مگر اکثر چند بدنصیب حساس طبائع اس میں گرفتار ہوکر اس مسئلہ کی نزاکت اور اس کی فوری اصلاح کی اہمیت کو سمجھ جاتی ہیں۔

میرے نقطۂ نگاہ سے "گڑیا کے گھر" کی واحد کمزوری مرزا کا کریکٹر ہی۔ یہاں اِبسن کی تنگیٔ تخیل کا نہیں بلکہ تنگیٔ تجارب کا ثبوت ملتا ہی۔ مرزا ایک برخود غلط شخص ہی کہ جو کسی حالت میں بھی نوشابہ کی شوہری کے قابل نظر نہیں آتا۔ ڈراما کی ابتدا سے دیکھئے۔

جب نوشابہ مٹھائی کشتی پھر رہی تھی۔ اُس وقت ہی یہ نظر آتا ہی

کہ اس مستبد کے ساتھ اس کا نبھاؤ آسان نہیں۔ واقعہ صرف

یہ نہیں کہ دوران ڈرامے میں نوشابہ کا کریکٹر ارتقائی مدارج طے

کرنے کے بعد مرزا سے بلند تر ہو جاتا ہی۔ بلکہ نوشابہ جس وقت

بلبل، قمری، چکو وغیرہ ناموں سے مخاطب کی جاتی ہی اُس وقت

بھی مجھے یہ محسوس ہوتا ہی کہ وہ طبعاً اور معاشرتاً مرزا سے اونچے

درجے کی عورت ہی۔ میرے پاس اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں

نے ارادتاً مرزا کو ایسا کریکٹر دیا کہ جو حامی ہو۔ بلکہ میرا خیال ہی کہ اگر

مرزا اونچے طبقے کے افراد کی مثال اپنی تربیت اور تہذیب کا ثبوت

دیتا تو ڈرامے کے نتیجے کی حیثیت میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی۔

ممکن ہی کہ بعض ناظرین مرزا سے مطمئن ہوں۔ کیونکہ وہ ایک عزت دار

شخصیت ہی۔ وہ نہایت دیانت دار اپنی اولاد سے محبت کرنے والا

نیک چلن اور مہذب آدمی ہی۔

مرزا کے کرکٹیر کے مکروہ ہونے سے قطع نظر کر لیجئے۔ باوجود اس کے
میں یہ ہمیشہ محسوس کرتا ہوں کہ "گڑیا کا گھر" ایک اہم مسئلہ پر تنقید ہے۔
مسئلہ اور تنقید بلند آہنگ اور اس لئے مخدوش الفاظ ہیں۔ اس لئے یوں
سمجھئے کہ ابسن صرف اظہار واقعات کرتا ہے۔ اُسے اس بحث سے سروکار
نہیں کہ مرد عورت کے درمیان صرف جذباتی اور جسمانی تعلق ہونا
یا نہیں۔ وہ کلیہ حیات بیان نہیں کرتا وہ صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ ایک
شوہر اور بیوی کہ جو آٹھ سال تک اک نام نہاد محبت اور سکون کی زندگی بسر
کرتے رہے ہیں اُن پر ایک مصیبت آپڑتی ہے۔ (نوشابہ کے افعال ا
اقوال اس کے کیرکٹر جو اُس کی تربیت اور ماحول کا نتیجہ ہیں)۔
مطابق ہیں نوشابہ کی تربیت کے ذمہ دار نوشابہ کے والد۔ خود مرز
اور اُن کے پیدا کردہ ماحول کے چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں۔ اُن
ماتحت نوشابہ خاص موقع پر خاص افعال کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس
"گڑیا کا گھر" یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ کیا بیویوں کو اپنے شوہروں سے

قطع تعلق کرلینا چاہیئے بلکہ وہ زندہ اور اصلی افراد کے اصلی واقعات
زندگی بیان کرنے کے بعد صرف یہ پوچھتا ہے کہ اے اخلاق اور تہذیب
کا درس دینے والو تمھاری رائے میں نوشابہ کو کیا کرنا چاہیئے ؟
دیکھو یہ واقعات یوں درپیش آئے - ایک قصہ سے دوسرا قضیہ
یوں برپا ہوا - ان حالات میں نوشابہ کیا کرتی اور مرزا کا
طرز عمل کیا ہونا چاہیئے تھا - ؟
"گڑیا کے گھر" کے متعلق اکثر کا خیال ہے کہ یہ ازدواجی زندگی
پر نکتہ چینی کی غرض سے لکھا گیا تھا - اس کا مقصد عورت کے حقوق
کی حفاظت تھا اور اس امر کی تلقین کہ افراد کو اپنی شخصیتوں کے
ارتقا کی ضرورت ہے - اس لئے اس ڈرامے کی شدت سے مخالفت
کی گئی اور نقاد نہایت سختی سے معترض ہوئے - مگر میری رائے
ناقص میں "گڑیا کا گھر" کا مقصد اس سے زیادہ بلند ہے اور
اس کا مقصد اس امر کی تحقیق ہے کہ اشخاص میں تعلقات کے قیام

اور بقا کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اور وہ کونسی باتیں ہیں کہ جو
ایک انسان سے دوسرے انسان کے رشتہ کو اعلیٰ یا اسفل بنا دیتی ہیں۔
آخری سین میں مرزا اور نوشابہ کی گفتگو میں نوشابہ کے تین فقرے ایسے
ہیں کہ جو ڈرامے کی اصلی مقاصد اور مشکلات کو پیش کرتے ہیں۔ یہ تین
ایسے سوال ہیں کہ جو ابسن ناظرین سے دریافت کرتا ہے۔ اور ہر چند کہ
وہ اپنے جذبات کا ایک خفیف سا مظاہرہ کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا جواب
ہم ہی سے طلب کرتا ہے

جب مرزا احسان اللہ کا خط پڑھ چکتا ہے تو وہ نوشابہ سے کہتا ہے
"اس آٹھ سال کی مدت میں تم کہ جو میرے لئے باعث عزت و افتخار تھیں
اس قدر مکار۔ جھوٹی بلکہ اس سے بھی زیادہ نفرت انگیز ایک مجرم
ثابت ہوئی"۔ کچھ گفتگو کے بعد نوشابہ اس کا جواب دیتی ہے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ ایک عورت کو اپنے مرتے ہوئے باپ کو ایذا سے محفوظ رکھنے کا
کوئی حق نہیں نہ اسے اس امر کا اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہر کو بچا سکے

مجھے اس بات کا اب فیصلہ کرلینا چاہئے کہ میں راستی پر ہوں یا سوسائٹی پر"

پھر نوشابہ کہتی ہے۔ "مجھے یقین ہے کہ بہت سی باتوں سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ میں ایک انسان ہوں یا کم از کم مجھے انسان بن جانے کی کوشش کرنا چاہیئے"

پھر مرزا کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ "کوئی آدمی اپنی عزت و ناموس کو اپنی محبوبہ پر قربان نہیں کرتا" وہ ایک دنداں شکن جواب دیتی ہے کہ "لاکھوں عورتوں نے تو اکثر ایسا کر دکھایا ہے"

یہاں چند ایسے چھوٹے چھوٹے نکات ہیں کہ جو ڈرامے کی تنظیم اور اس کے قواعد سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن مجھے ان پر تنقید کرنے کی بغرض اختصار اجازت نہیں میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ اس ڈرامے سے نتائج مترتب کرتے ہوئے ہمیں کلیہ حیات قائم نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے پیش نظر صرف اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ کس

تربیت اور ماحول کا نتیجہ تھی تو ہمارا جواب صاف ہے کہ وہ مناسب قابل تھی کہ اس کی شادی کی جاتی۔ اور نہ اس قابل کہ وہ ماں بنتی۔ مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ اس نے یہ دونوں ذمہ داریاں منظور کیں۔ اسے اپنے شوہر اور اپنی اولاد کو یوں چھوڑ کر نہ چلا جانا چاہئے تھا۔ یہ ظاہرا بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ذرا غور کیجئے۔ نوشابہ بیوی بننے کی صلاحیت رکھتی تھی وہ اکثر عورتوں کی طرح بیوی اور ماں بننے کے تجربے سے فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ لیکن اسے یہ موقع دیا ہی نہیں گیا۔ اس کی کوئی ذمہ داریاں نہ تھیں کیونکہ کوئی فرض اس کے سپرد ہی نہیں کیا گیا۔ اور نوشابہ کا یہ درد بھرا جواب "مرزا تم ایسے شخص نہیں کہ جو مجھے تمہاری معقول اور مناسب بیوی بنا سکھا سکے۔" "اور میں۔ میں کیسے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری لے سکتی ہوں" ان تمام اعتراضات کا جواب ہے کہ جو ازدواجی زندگی میں مستبد شوہر کی تابعداری کی موافقت میں لئے جا سکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک اور بات پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مسئلہ کا

ایک اور پہلو بھی پیش نظر آتا ہی۔ کہ مرزا کا حقیقتاً ایک انسان سے وہ کونسا
تعلق ہی کہ وہ اس کے شخصی ارتقا اور جلا سے اسے باز رکھے۔ اس کا
جواب ہماری روزمرہ کی زندگی میں تلاش کیجئے۔ مرزا کے فائدے
ور قوتِ نفس کے لئے یہ ضروری ہی کہ نوشابہ ہمیشہ ایک بچہ ہی رہے
کہ جس سے وہ کھیل سکے۔ اور جس کو وہ تادیب کر سکے۔ اگر اس بچے میں
تمیز اور ادراک پیدا ہو جائے تو ہر چند کہ مرزا کی زندگانی سے زیادہ
مفید نتائج مترتب ہو سکیں گے لیکن اس کی روزمرہ کی زندگی محنت او
احتیاط سے امتزاج کے لئے مجبور ہو جائے گی۔ اور مرد عموماً محبت
ور احتیاط سے حتی الامکان گریز کرتا ہی۔ کیونکہ مرد میں بمقابلہ عورت
کے کئی ہزار درجے خودغرضی زیادہ ہوتی ہی۔ مرد کی نام نہاد محبت۔
ر اس کی وہ کوششیں جو وہ اپنی محبوبہ کی آسائش اور آرائش میں صرف
رتا ہی اُس کی خودغرضی کے خوش منظر نمونے ہوتے ہیں۔ مرزا کے لئے
نوشابہ صرف ایک ذریعہ خودنمائی ہی۔ کیا ہم میں اکثر ایسے نمونے موجود

نہیں ہیں ؟

اب تصویر کا آخری رخ اور ملاحظہ فرمایئے۔ مرد اپنی ناموس کو اپنی محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ناموس ہے اور کیا وہ اصلی محبت ہے؟ میری ذاتی رائے ہے کہ محبت ناموس میں اور ناموس محبت میں مدغم ہیں۔ اور جب عزت اور ناموس کی پاسبانی حقیقی طور پر مدنظر ہو تو محبت سے متناقص نہیں ہوتی۔ کیونکہ ناموس محبت کی ایک شاخ ہے یہ نظریہ ایسا نہیں کہ اس سے اکثر اختلاف کریں مگر حقیقتاً یہ ایک حد تک خارج از محبت ہے۔ کیونکہ ابسن کو کسی کلیہ کے قائم کرنے سے سروکار نہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مصائب آپڑنے کے بعد نوشابہ کہ جس کی زندگی کا انحصار محبت اور اعتماد و محبت پر تھا اور مرزا کہ جس کا اصول حیات خودنمائی اور خودغرضی کا امتزاج تھا کیونکر ایک دوسرے سے عہدبرابر ہو سکتے ہیں۔ اور نوشابہ اور مرزا کے اختلافات وہ اختلافات ہیں کہ جو نوشابہ میں عورت ہونے کی حیثیت سے اور مرزا میں مرد ہونے کی

حیثیت سے رونما ہوئے۔

مرزا کی محبت اس کا مقصد حیات نہیں۔ یہ صرف وہ شیوہ ہے کہ جو زندگی کی تربیت میں اور ضروریات کو ایک مناسب اور مفید قیام اور نسبت دیتا ہے۔ یہ صرف ایک ایسا جذبہ ہے کہ جو آرائش حیات کے لئے ضروری ہے۔ اور جو رسوم و قیود زمانہ کی مطابقت میں سوسائیٹی کی نمایندگی کے لئے مفید ہے۔ اور اس اول موقع پر کہ جب ان اصولوں میں سے ایک سے بھی نوشابہ کی محبت کا مفہوم ٹکراتا ہے تو یہ محبت کا محل جبکی بنیاد جسمانی اور جذباتی خصائص پر ہے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ مرد کی محبت آخری شے نہیں بلکہ ایک ذریعہ ہے کہ جو نظامِ عالم میں ایک کمی کو پورا کرتی ہے۔ اسکا وجود جذبات پر منحصر ہے اور جذبات۔ اقتدار شخصی کی بقا اور تفضل پر۔

مگر عورت کی محبت ذریعہ نہیں بلکہ اس کی زندگی کا مقصد ہے۔

بشیر احمد۔ ہاشمی۔ ایم۔ اے۔ ایم ایڈ

۵۸۶

افراد ڈرامہ

(۱) نادر مرزا - ایک تعلیم یافتہ وکیل۔ Jorvald Helmer

(۲) نوشابہ - نادر مرزا کی بیوی۔ Nora ... wife

(۳) ثناء اللہ - نادر مرزا کے ایک موروثی اور خاندانی ضعیف العمر طبیب۔ Dr. Rank

(۴) ثریا - نوشابہ کی سہیلی۔ Mrs. Linde

(۵) خالد - نوشابہ کا خالہ زاد بھائی۔ Nils Krogstad

(۶) نادر مرزا - کے دو چھوٹے بچے۔

(۷) شبو - ان بچیوں کی دایہ Anne

(۸) خیرن - نوشابہ کی ماما۔ Housemaid

(۹) بخشو - ملازم۔ A. Porter.

جائے وقوع:۔ نادر مرزا کی کوٹھی

ایکٹ اوّل

سین ۔ ایک کمرہ سلیقہ اور خوش اسلوبی سے آراستہ ہے
پشت پر دائیں جانب ایک دروازہ ہی جو ہال کی جانب کھلتا ہی بائیں سمت
دوسرا دروازہ ہی جو نادر مرزا کے مطالعہ کے کمرہ میں کھلتا ہی ان دونوں
دروازوں کے وسط میں ایک قیمتی ہارمونیم رکھا ہوا ہی بائیں طرف ایک
کھڑکی ہی۔ کھڑکی کے قریب ایک گول میز ۔ ایک صوفا اور چند آرام کرسیاں
پڑی ہوئی ہیں ۔ دائیں جانب ایک دروازہ ہی اس کے قریب ایک اسٹو،
دو آرام کرسیاں اور ایک جھولا کرسی رکھی ہوئی ہیں ۔ اسٹو اور دروازہ
کے درمیان ایک چھوٹی سی میز ہے ۔ دیوار پر تصاویر آویزاں ہیں ۔
الماری ہیں خوبصورت مجلد کتابیں ہیں ، دوسری الماری میں چینی کے
برتن سلیقہ سے رکھے ہوئے ہیں کمروں میں قالین کا فرش ہی ، اسٹو میں

آگ جل رہی ہے۔ موسم سرما شباب پر ہے۔

ہال میں گھنٹی بجتی ہے، تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نوشابہ شادان و فرحاں کچھ گنگناتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔ ہاتھ میں کئی پارسل ہیں جن کو وہ میز پر رکھ دیتی ہے باہر کا دروازہ کھلا ہوا چھوڑ دیتی ہے ایک حمّال عید کے کچھ تحائف لئے ہوئے آتا ہے یہ تحائف وہ خیرن کو دیدیتا ہے جو دروازہ میں داخل ہوتی ہے۔

نوشابہ۔ خیرن! ان تحائف کو احتیاط سے پوشیدہ رکھنا، ایسا نہ ہو کہ بچّے انھیں دیکھ پائیں، اور عید سے پہلے ہی غارت کر دیں (بٹوا نکالتے ہوئے مزدور سے) کیا مزدوری ہوئی؟

مزدور۔ ۳ ر تین آنے۔

نوشابہ۔ لو یہ چونّی ہے۔ ایک آنہ واپس نہ کرو، یہ تمھارا انعام ہے۔

(مزدور سلام کرکے رخصت ہوتا ہے) نوشابہ دروازہ بند کر دیتی ہے۔ اپنا سوئٹر اُتارتی جاتی ہے اور خود بخود ہنستی جاتی ہے، قمیص کی جیب میں سے

دو تین چھوٹے چھوٹے بسکٹ نکال کر کھانے لگتی ہی۔ پھر ہوشیاری سے شوہر
کے کمرہ کی سمت جاتی ہی۔ اور کچھ سُننے کی کوشش کرتی ہی) ہاں، اندر ہیں!
(پھر گنگنانے لگتی ہی اور دائیں جانب سے میز تک پہنچتی ہی)

T. Helmer

نادر مرزا۔ (اپنے کمرہ سے آواز دیتا ہی) کیا میری بُلبُل ادھر اُدھر
پھدکتی پھر رہی ہی؟

Nora

نوشابہ۔ (پارسل کھولتے ہوئے) ہاں میں ہی ہوں!

Helmer

نادر مرزا۔ کیا میری گلّو اُچھل کود رہی ہی؟

Nora

نوشابہ۔ جی ہاں!

Helmer

نادر مرزا۔ پیاری تم کب واپس آئیں؟

Nora

نوشابہ۔ ابھی ابھی (ہاتھ کے بسکٹ جیب میں رکھ کر اور ہاتھ سے
مُنہ صاف کر کے) مرزا! آؤ دیکھو، میں نے کیا کیا چیزیں خرید کر منگوائی ہیں!

Helmer:

نادر مرزا۔ مجھے دق نہ کرو۔ (تھوڑی دیر بعد وہ دروازہ کھولتا
ہی، اور کمرہ میں جھانکنے لگتا ہی۔ گو اب بھی قلم ہاتھ میں ہی) کیا تم نے

یہ چیزیں بازار سے منگوائی ہیں؟ یہ ساری چیزیں؟ کیا میری فضول خرچ بیوی نے پھر روپیہ برباد کرنا شروع کر دیا؟

نوشابہ۔ ہاں مرزا! اس سال تھوڑی سی فضول خرچی اختیار ہی کر لینا چاہیئے، یہ پہلی عید ہی جس میں ہمیں کفایت شعاری کی ضرورت نہیں۔

نادر مرزا۔ پھر بھی اس بے دردی سے روپیہ پھینکنا کیا ضرور ہی؟

نوشابہ۔ اب تھوڑی سی آزادی ملنی چاہیئے۔ تھوڑی سی آزادی صرف تھوڑی سی، اب تمھاری تنخواہ بڑھنے والی ہی اور تم ہزار ہا روپیہ کماؤ گے۔

نادر مرزا۔ بیشک نوروز کے بعد، مگر پہلی تنخواہ تین ماہ بعد ملیگی۔

نوشابہ۔ اُونھ، جب تک ہم قرض لے سکتے ہیں۔

نادر مرزا۔ (اُس کے قریب جاکر اُس کے کان سے کہتے ہوئے) تم اب تک ویسی ہی سادہ لوح ہو! فرض کرو کہ میں سو روپیہ قرض لے لوں اور تم عید کے موقعہ پر سب خرچ کر دو، اور میرے سر پر ایک پتھر گر پڑے

اور میں مر جاؤں۔ اور

Nora
نوشابہ۔ (اپنے ہاتھ سے اُس کا منہ بند کر کے) ایسی اول فول باتیں نہ کرو۔

Helmer
نادر مرزا۔ فرض کرو کہ ایسا ہو جائے پھر کیا ہو گا؟

Nora
نوشابہ۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے پروا بھی نہ ہو گی کہ میں مقروض ہوں یا نہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ لیکن تمھارے قرض خواہ پر کیسی آبنے گی۔

Nora
نوشابہ۔ اس کی میری جوتی کو خبر۔

Helmer
نادر مرزا۔ یہ فطرت نسوانی ہے مگر سنجیدگی سے بتاؤ۔ تم جانتی ہو کہ اس معاملہ میں میرے کیا خیالات ہیں۔ اُس گھر میں آزادی اور دلاویزی پیدا نہیں ہو سکتی جس میں قرض اُدھار کا سلسلہ جاری رہتا ہے ہم دونوں اب تک دلیرانہ صراطِ مستقیم پر قائم رہے ہیں۔ تھوڑے دنوں کی بات اور ہے۔ اسی طرح کمر ہمت باندھے رہو۔

Nora
نوشابہ۔ (اسٹوو کے جانب بڑھتے ہوئے) جیسی تمہاری مرضی۔
Helmer
نادر مرزا۔ میری بلبل! افسردہ نہ ہو۔ ارے، یہ کیا؟ میری کٹو خفا ہوگئیں؟ (اپنا بٹوا نکالتے ہوئے) نوشابہ! تمہیں معلوم ہی کہ اس میں کیا ہے؟
Nora
نوشابہ۔ (جلدی سے متوجہ ہوکر) روپئے۔
Helmer
نادر مرزا۔ بالکل ٹھیک (کچھ روپئے دیکر) میں خوب جانتا ہوں کہ عید کے موقعہ پر بہت صرف ہوتا ہی۔
Nora
نوشابہ۔ (شمار کرتے ہوئے) ڈھائی روپیہ۔ دس روپیہ۔ بیس روپیہ! شکریہ اب میں بہت سے دن نکال لے جاؤں گی۔
Helmer
نادر مرزا۔ بیشک۔
Nora
نوشابہ۔ بالکل درست ہی۔ یہاں آؤ۔ لو، میں تمہیں دکھاتی ہوں کہ میں نے کیا کیا چیزیں بازار سے منگوائی ہیں۔ دیکھو کیسی سستی ہیں۔ لو ننھے کے لئے یہ اچکن کا کپڑا موجود ہی۔ دوسرے کے لئے یہ باجہ اور گھوڑا

یہ سب چیزیں بہت سادہ اور سستی ہیں کیونکہ بچے اپنے کھلونے بہت جلدی توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ اور اس بنڈل میں کیا ہے؟

Nora
نوشابہ۔ (باآواز بلند) نہیں نہیں میں اسے آج شام تک نہ دکھاؤنگی

Helmer
نادر مرزا۔ بہت خوب مگر یہ بتاؤ کہ تم اپنے لئے کیا تحفہ پسند کرو گی؟

Nora
نوشابہ۔ اپنے لئے؟ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ نہیں، ضرورت ہے۔ کوئی ایسی معقول چیز بتاؤ جو تمھارے لئے خریدی جا سکے۔

Nora
نوشابہ۔ نہیں۔ میں کیا چیز بتاؤں؟ سوا ر

T. Helmer
نادر مرزا۔ ہاں؟

Nora
نوشابہ۔ (نگاہیں نیچی کئے ہوئے اور اپنی گھنڈیوں سے کھیلتی ہوئی)، اگر واقعی کوئی تحفہ مجھے دینا چاہتے ہو تو مجھے......

Helmer
نادر مرزا۔ ہاں! کہو کہو؟

نوشابہ۔ (تیزی سے) مرزا! مجھے روپیہ دیدو صرف، اتنا جس قدر
کہ تم آسانی سے دے سکو میں خود ہی کوئی چیز خرید لوں گی۔

نادر مرزا۔ مگر نوشابہ!

نوشابہ۔ مرزا! بس بس مجھے روپیہ ہی دیدو۔ میں اس کو اپنے
بٹوے میں رکھوں گی۔ اُسے بار بار گنوں گی۔ پھر اُسے بٹوے میں رکھ دونگی۔
روپیہ کی آواز مجھے بھلی معلوم ہوگی۔

نادر مرزا۔ نوشابہ! یہ بتاؤ کہ دنیا روپیہ ضائع کرنے والوں کو کیا کہتی ہے؟

نوشابہ۔ "فضول خرچ"۔ مجھے معلوم ہے۔ اچھا میں ویسے ہی خرچ کرونگی
جیسا کہ تم بتاؤ گے۔ اس دوران میں یہ بھی معلوم کرلوں گی کہ مجھے کس چیز کی
سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے؟

نادر مرزا۔ (مسکراتے ہوئے) بیشک۔ گویا اگر تم روپیہ میں سے کچھ
بچانا چاہتی ہو تو میں تم کو دیدوں مگر یہ رقم فضول چیزوں کی خریداری میں خرچ
نہیں ہونی چاہیئے۔

نوشابہ - مرزا! یہ تو ٹھیک ہے مگر

نادر مرزا - پیاری نوشابہ! تم اس سے انکار نہیں کر سکتیں (کمر میں ہاتھ ڈال کر) تم بڑی دلکش خرلچ ہو بہت سارے روپے تباہ کر دیتی ہو۔ لوگوں کو کیسے یقین آئے گا کہ ایسی ننھی سی نازنیں اتنا روپیہ خرچ کر دیتی ہے۔

نوشابہ - یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ جہاں تک بن پڑتا ہے میں کفایت شعاری کرتی ہوں۔

نادر مرزا - (قہقہہ مار کر) جہاں تک بن پڑتا ہے! بالکل ٹھیک کہتی ہو مگر تم سے کفایت شعاری نہیں ہو سکتی۔

نوشابہ - مرزا تمھیں اس کا کیا اندازہ کہ میری جیسی بلبلیں اور قمریاں کتنا خرچ کرتی ہیں۔

نادر مرزا - تم بھی عجیب شے ہو۔ ہو بہو اپنے والد کے مانند ہمیشہ کسی نہ کسی بہانہ سے تم روپیہ جھپٹ لیتی ہو جو تمھارے ہاتھوں میں پہنچتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ تمھیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ روپیہ کہاں گیا۔ گراں خرچ لڑکی بچہ

نہیں یہ تمھاری سرشت ہی اور تم نے یہ باتیں وراثت میں حاصل کی ہیں۔

Nova
نوشابہ۔ کاش میں اپنے ابا کی اور بہت سی صفات بھی حاصل کر سکتی!

Helmer
نادر مرزا۔ میری قمری! تم جیسی بھی ہو مجھے پسند ہو مگر یہ کیا بات ہی کہ آج تم بے چین نظر آتی ہو؟

Nova
نوشابہ۔ بے چین؟

Helmer
نادر مرزا۔ بے شک بے چین ہو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔

Nova
(نوشابہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہی)

Helmer
نادر مرزا۔ شیریں بیگم! تم نے آج کیا کھایا ہی؟

Nova
نوشابہ۔ کیوں تم یہ کیوں پوچھتے ہو؟

Helmer
نادر مرزا۔ تم نے آج ضرور مٹھائی کھائی ہی۔

Nova
نوشابہ۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ تو میٹھے بسکٹ کھائے ہوں گے؟

Nova
نوشابہ۔ ایک نہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ خیر نہ کھائے ہوں گے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔

Nora
نوشابہ۔ (دائیں جانب میز تک جاکر) میں تمھاری خواہشات کے خلاف کچھ بھی نہ کروں گی۔

Helmer
نادر مرزا۔ یقیناً علاوہ ازیں تم نے تو قسم بھی کھائی تھی (اُس کے قریب جاکر) عید کے تحائف کے راز تم اپنے ہی تک محفوظ رکھو۔ آج رات تک یا زیادہ سے زیادہ کل رات تک یہ سربستہ راز خود بخود کھل جائینگے

Nora
نوشابہ۔ تم نے آج حکیم جی کو بھی کھانے پر بلایا ہے؟

Helmer
نادر مرزا۔ نہیں۔ مگر اس کی کیا ضرورت ہے وہ روزانہ کھانے کے وقت آتے ہیں۔ پھر بھی میں اُن سے کہدوں گا۔ آج میں نے نہایت اچھی بالائی بازار سے منگوائی ہے کھانے کے بعد لطف دے گی اس لئے مجھے شام کا بہت انتظار ہے۔

Nora
نوشابہ۔ مجھے بھی شام کا انتظار ہے۔

Helmer
نادر مرزا۔ ایک مستقل بڑی تنخواہ والی ملازمت مل جانا کس درجہ

طمانیت بخش ہو سکتا ہی۔

Nora
نوشابہ۔ بیشک یہ نعمت غیر مترقبہ ہی۔

Helmer
نادر مرزا۔ تمھیں پارسل کی عید یاد ہی وہ زمانہ بھی کیسی بے دلی اور افسردگی کا تھا!

Nora
نوشابہ۔ مگر مجھے تو کچھ زیادہ افسردگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

Helmer
نادر مرزا۔ نہیں۔ کیوں افسردگی معلوم ہوتی۔ خدا کا شکر ہی کہ تکلیف کا زمانہ ختم ہو گیا۔

Nora
نوشابہ۔ (کچھ گنگناتے ہوئے) بیشک۔

Helmer
نادر مرزا۔ اب کہیں بھی افسردگی نہیں۔ نہ تمھیں اپنی پیاری اور خوبصورت آنکھیں خراب کرنے کی ضرورت ہی۔

Nora
نوشابہ۔ (تالیاں بجاکر) تمھاری یہ تقریر کانوں کو کیسی بھلی معلوم ہوتی ہی! (مرزا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر) اب میں تمھیں یہ تبلانا چاہتی کہ کل کے لئے میں نے کیا کیا انتظامات کئے ہیں۔ عید کے ختم ہوتے ہی

(گھنٹی بجتی ہی) یہ کس نے گھنٹی بجائی (جلد جلد کمرہ کے سامان

کو درست کرکے) کوئی شخص دروازہ پر ہی؟ کیا مصیبت ہی!

Helmer
نادر مرزا۔ کوئی ملنے آیا ہی تمہیں یاد ہی کہ میں آج کسی سے ملنے کے

لئے تیار نہیں ہوں۔

Maid
خیرن۔ بیگم صاحب! کوئی بی صاحبہ آپ سے ملنے کے لئے آئی ہیں،

کوئی اجنبی ہیں۔

Nora
نوشابہ۔ اندر بلا لو۔

Maid
خیرن۔ (مرزا سے) حکیم جی تشریف لاتے ہیں۔

Helmer
نادر مرزا۔ کیا وہ سیدھے میرے کمرہ میں گئے ہیں؟

Maid
خیرن۔ جی۔

(مرزا اپنے کمرہ میں جاتا ہی۔ ماما ثریا کو لاتی ہی اور کمرہ بند

کرکے چلی جاتی ہی)

Mrs. Linde
ثریا۔ (حزیں لہجہ میں) نوشابہ کیسی ہو؟

Nora
نوشابہ۔ (کسی قدر تذبذب سے) آپ کا مزاج اچھا ہے؟

Mrs Linde
ثریا۔ شاید تم نے مجھے نہیں پہچانا؟

Nora
نوشابہ۔ ہاں میں نے نہیں پہچانا (غور کرتے ہوئے) آپ۔ کہاں۔
(یکایک) ارے! ثریا! تم ہو؟

Mrs. Linde
ثریا۔ ہاں میں ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ یا عجب! میں تمہیں نہ پہچان سکی (نرم آواز میں، رقص کے ساتھ) کہو پیاری ثریا! تم تو بالکل بدل گئی ہو؟

Mrs. Linde
ثریا۔ بیشک! نو یا دس برس میں بالکل بدل گئی۔

Nora
نوشابہ۔ تو کیا آج ہم دس برس کے بعد ملے ہیں؟ ہاں بیشک اتنا ہی زمانہ ہوا ہوگا۔ (ثریا سے ہٹ کر) کہو اچھے رہیں، کہاں کہاں رہیں؟ میں تو اس عرصہ میں بہت خوش رہی۔ تو کیا اب تم یہاں آگئی ہو؟ ایسی سردی، اتنا طول طویل سفر؟ کتنی جری ہو!۔

Mrs Linde
ثریا۔ میں آج ہی آئی ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ عید منانے کے لئے (کچھ گنگناتے ہوئے) بڑی خوشی کی بات ہی خوب لطف رہے گا۔ لو اپنا برقعہ اُتار دو۔ جاڑے میں ٹھٹھر گئی ہوگی۔ لو انگیٹھی کے سامنے آجاؤ۔ اس آرام کرسی پر بیٹھو۔ میں یہ کرسی لے دیتی ہوں (اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر) اب تم ویسی ہی معلوم ہوتی ہو جیسی کہ پہلے تھیں۔ مگر یہ کیا بات ہی بہت دُبلی اور زرد سی ہو رہی ہو

Mrs Linde
ثریا۔ بہت کچھ بوڑھی بھی ہوگئی ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ بوڑھی۔ مگر بہت کم بوڑھی۔ (یکایک خاموش ہوکر اور سنجیدگی سے گفتگو کرتے ہوئے) میں بھی کیسی بے فکر ہوں۔ برابر بات چیت کئے جاتی ہوں۔ بہن ثریا مجھے معاف کرنا۔

Mrs. Linde
ثریا۔ کیوں، کیا ہوا؟

Nora
نوشابہ۔ بہن ثریا! تم تو اب بیوہ ہو۔

Mrs Linde
ثریا۔ (متانت سے) ہاں کئی برس ہوئے۔

Nora
نوشابہ۔ ٹھیک کہتی ہو مجھے ایک خط سے معلوم ہوا تھا۔ میں تمھیں

یقین دلاتی ہوں کہ اس زمانہ میں تم کو خط لکھنے کا بارہا ارادہ کیا مگر ہمیشہ ملتوی ہوتا رہا۔
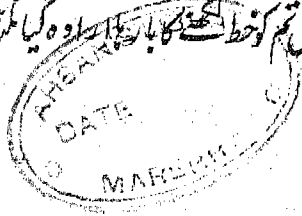
Mrs. Linde
ثریا۔ کیا مضائقہ ہے۔

Nora
نوشابہ۔ نہیں مجھ سے نہایت نادانی ہوئی۔ تم پر کیسا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہوگا۔ اور کیوں اس نے تمھارے لئے کچھ چھوڑا ہے؟

Mrs. Linde
ثریا۔ کچھ نہیں۔

Nora
نوشابہ۔ نہ بچے؟

Mrs. Linde
ثریا۔ نہیں۔

Nora
نوشابہ۔ کیا بالکل نہیں؟

Mrs. Linde
ثریا۔ کچھ بھی نہیں۔ نہ رنج و غم جس سے کہ عمر تیر ہوتی۔

Nora
نوشابہ۔ (مشکوک نظروں سے) ثریا! بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟

Mrs. Linde
ثریا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔

Nora
نوشابہ۔ تو اب تم بالکل تنہا ہو؟ کیسے افسوس کا مقام ہے۔ میرے

دو ننھے ننھے بچے ہیں اس وقت تو وہ اپنی دایہ کے پاس ہیں مگر اس وقت تم اپنی رام کہانی سناؤ

Mr. Linde

ثریا۔ خوب۔

Nora

نوشابہ۔ نہیں میں خود غرض نہیں بن سکتی۔ آج کا وقت میں نے تمہارے حالات کے لیئے وقف کر دیا ہے۔ مگر ایک بات ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں تم نے سنا ہو گا کہ ہمیں ایک نعمتِ غیر مترقبہ ملی ہے۔

M. Linde

ثریا۔ نہیں میں نے نہیں سنا۔

Nora

نوشابہ۔ نادر مرزا بنک کے منیجر مقرر ہو گئے ہیں۔

M. Linde

ثریا۔ تمہارے شوہر؟ کتنی خوش نصیب ہو۔

Nora

نوشابہ۔ ہاں بڑی خوشی کی بات ہے۔ وکالت کیسا غیر مستقل پیشہ ہے بالخصوص ان وکیلوں کے لیئے جو چھوٹے چھوٹے مقدمات کی پیروی نہیں کرنا چاہتے، اور تمہیں معلوم ہے کہ مرزا بالکل سچے اور راست باز ہیں، بیشک آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اب تم خود سمجھ سکتی ہو کہ یہ کیسی بڑی

نعمت ہی۔ وہ فوردز کے بعد ہی بنک کا کام شروع کردیں گے۔ بڑی تنخواہ ملے گی، بڑی آمدنی ہوگی۔ اب ہم جس طرح چاہیں زندگی بسر کریں۔ ثریا (تالیاں بجا کر) روپیوں کا ڈھیر کیا خوش آئند منظر ہوگا۔

M. Lindt
ثریا۔ بیشک ضرورت کے موافق دولت مل جاتا بڑی خوش نصیبی ہی۔

Nora
نوشابہ۔ اجی ضرورت کے موافق نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

Lindt
ثریا۔ (مسکراتے ہوئے) نوشابہ! تم میں اب تک عقل نہ آئی۔ اسکول میں بھی تم بڑی بھولی تھیں۔

Nora
نوشابہ۔ (قہقہہ مار کر) ہاں مرزا کا اب بھی یہی خیال ہی مگر نوشابہ ایسی بیوقوف نہیں ہی جیسا کہ تمھارا خیال ہی۔ اب تک ہماری ایسی حالت نہ تھی کہ روپیہ ضایع کر سکتے۔ ہم دونوں کو کام کرنا پڑتا ہی۔

M. Lindt
ثریا۔ تمھیں بھی؟

Nora
نوشابہ۔ ہاں مجھے بھی مجھے طرح طرح کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ سینا پرونا، کاڑھنا، کھانا پکانا، اور خانہ داری کے تمام کام تمھیں معلوم ہی

ہماری شادی سے قبل ہی مرزا نے ملازمت ترک کر دی تھی وہاں نہ ترقی کی
گنجائش تھی، اور نہ اضافہ کی، ہمارے اخراجات روز بروز بڑھتے جاتے
تھے، اس کے بعد ہی انھوں نے وکالت شروع کر دی، اور دن رات
ایک کر دیا، روپیہ کی ضرورت تھی، اور صبح و شام انھیں کام کرنا پڑتا تھا، نتیجہ
یہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئے اور حکیم صاحب کی رائے ہوئی کہ آب و ہوا کی تبدیلی
کی اشد ضرورت ہے۔

M. Luck

ثریا۔ کیا تم نے پورے چھ مہینے پہاڑ پر گزارے؟

Nora

نوشابہ۔ نہیں یہ کوئی آسان کام نہ تھا یہ ننھے کی پیدائش کے بعد کا
قصہ ہے۔ مگر ہمیں جانا پڑا، (تالیاں بجا کر) بڑا مزے دار سفر تھا، اسی سفر
نے مرزا کو از سر نو زندہ کر دیا، مگر نہیں بڑا روپیہ صرف ہوا ہم دیوالیے
ہو گئے تھے

Mrs. Luck

ثریا۔ بیشک بہت روپیہ صرف ہوا ہوگا۔

Nora

نوشابہ۔ تقریباً ڈھائی ہزار صرف ہوئے۔

ثریا - بیشک ایسی حالت میں مالدار ہونا ضروری ہی -

نوشابہ - مگر نہیں یہ رقم ہمیں ابا جان سے ملی تھی -

ثریا - ابا جان سے ؟ ہاں ! ہاں ! ! اُسی زمانہ میں اُن کا انتقال ہوا تھا -

نوشابہ - ہاں غور کرو میں اُس مصیبت میں گرفتار تھی، ایک دن بھی اپنے گھر نہ جا سکی، اور نہ اُن کی تیمار داری کر سکی - اِدھر ننھے کی پیدائش کے دن قریب تھے، اُدھر مرزا البستر علالت پر پڑے ہوئے تھے - افسوس میں اپنے محبت کرنے والے پیارے ابا جان کو پھر کبھی نہ دیکھ سکی - وہ میری زندگی کا نہایت تاریک زمانہ تھا -

ثریا - ہاں، نوشابہ ! مجھے معلوم ہی کہ تمھیں اپنے ابا جان سے کس قدر محبّت تھی ! اچھا تو کیا تم اُس کے بعد پہاڑ پر گئیں ؟

نوشابہ - ہاں اُس زمانہ میں ہمارے پاس روپیہ تھا - حکیم صاحب نے پہاڑ پر جانے کے لئے اصرار کیا - اور ایک ماہ بعد ہم سب چلے گئے "

ثریا۔ مرزا کو وہاں پوری صحت ہو گئی؟

نوشابہ۔ پوری صحت۔

ثریا۔ مگر .... حکیم جی ....

نوشابہ۔ کون حکیم جی؟

ثریا۔ ماما ابھی کہتی نہ تھی کہ حکیم جی آئے ہیں۔

نوشابہ۔ ہاں وہ نئے حکیم جی۔ وہ یہاں محض بر بنا دوستی آتے ہیں ہمارے گھر کے بہت پرانے اور مخلص مہربان ہیں اور کم از کم ایک مرتبہ روزانہ آتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا ایک منٹ کو بھی بیمار نہ ہوئے۔ ہم سب بھی اچھے خاصے تندرست ہیں۔ (اُچھل کر اور تالیاں بجا کر) میں بھی کیسی خود غرض ہوں۔ اپنا ہی دُکھڑا لے بیٹھ تی ہوں (ثریا کے قریب ایک اسٹول پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور اپنا ہاتھ اُس کے شانے پر رکھ دیتی ہے) پیاری ثریا! مجھ سے خفا نہ ہونا۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا تمھیں اپنے شوہر سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا تو پھر تم نے اس سے شادی کیوں کی تھی؟

Mrs. Linda

ثریا۔ بہن یہ ہندوستان ہے۔ یہاں شادی محبت کی وجہ سے کب ہوتی ہے۔ اللہ بخشے اماں اس وقت زندہ تھیں، مگر دائم المریض، مجھے اپنے دو چھوٹے بھائیوں کی بھی خبر گیری کرنا پڑتی تھی اس لئے شادی ہو گئی۔

Nora

نوشابہ۔ تو کیا وہ اس زمانہ میں دولتمند تھا؟

Mrs. Linda

ثریا۔ ہاں، اچھا خاصہ مالدار تھا۔ مگر اس کا روبار کچھ زیادہ مستقل و مستحکم نہ تھا، اس کے مرتے ہی سارا کھیل بگڑ گیا۔

Nora

نوشابہ۔ پھر؟

Mrs. Linda

ثریا۔ پھر میں نے خود کام کرنا شروع کر دیا پہلے سینے پرونے کا کام کیا، اس کے بعد ایک چھوٹا سا مدرسہ کھول دیا۔ گزشتہ تین سال میں مجھے ایک منٹ کو بھی چین و آرام حاصل نہ ہوا۔ اب وہ زمانہ بھی ختم ہو گیا۔ اماں جان عدم کو سدھا گئیں، اب ان کو میری مدد کی ذرا بھی ضرورت نہیں۔ وہ دونوں بھائی ملازم ہو کر خود کمانے لگے ہیں۔

Nora

نوشابہ۔ گویا اب تمہیں آرام ملا؟

ثریا۔ نہیں بہن آرام تو شاید میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔ میری زندگی بالکل بے کیف ہے۔ اسی لئے میں چل کھڑی ہوئی۔ شاید یہاں کوئی ایسی جگہ مل جائے جو میرے خیالات کو مشغول بنائے۔ کاش کسی دفتر میں کوئی مستقل آسامی مل جائے۔

نوشابہ۔ ابھی تو تم خود بہت خستہ اور مضمحل ہو، ابھی سے اس کام میں منہمک ہو جاؤ گی؟ کچھ دنوں کے لئے کسی پُرفضا مقام پر چلی جاؤ، اور تھوڑا سا آرام لے لو۔

ثریا۔ (کھڑکی کی سمت ٹہلتے ہوئے) میرے ابا جان کہاں ہیں کہ مجھے روپیہ دیدیں اور میں چلی جاؤں۔

نوشابہ۔ ارے تم تو خفا ہو گئیں؟

ثریا۔ (نوشابہ کے قریب جا کر) تمھیں مجھ سے خفا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ میری بدنصیبی ہے کہ لوگ مجھ سے مل کر بدمزہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ جس کے لئے کچھ کروں۔ مگر ضرورت اس کی متقاضی ہے کہ جستجو میں

لگی رہوں - زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ خود غرضی لازمی ہے - نہیں! تم نے

مجھ سے ابھی ابھی کہا تھا کہ مرزا کو ایک بڑی اچھی جگہ مل گئی ہے میں تمھاری

وجہ سے نہیں بلکہ اپنی وجہ سے بہت خوش ہوئی تھی -

Nora
نوشابہ - تمھارا شاید یہ مطلب ہے کہ مرزا تمھیں کوئی معقول جگہ دلا دیں -

Mrs Linde
ثریا - ہاں میں یہی غور کر رہی تھی -

Nora
نوشابہ - ضرور - ثریا! ضرور مرزا تمھاری مدد کریں گے - اس معاملہ

کو میں نہایت ہوشیاری سے اُن کے سامنے پیش کروں گی - اور اس سے

پہلے کوئی ایسی بات کروں گی کہ جس سے وہ خوش ہو جائیں گے - مجھے بڑی

خوشی ہو اگر میں تمھارے کام آسکوں -

Mrs. Linde
ثریا - نوشابہ! تمھاری بڑی مہربانی ہوگی - بالخصوص اس وجہ سے

کہ تم گھر گرہستی کے تردوات و تفکرات سے اس قدر نا آشنا ....

Nora
نوشابہ - میں - میں نا آشنا ہوں؟

Mrs Linde
ثریا - (مسکراتے ہوئے) خانہ داری کے چھوٹے چھوٹے تردد

وتفکرات...... نوشابہ! میرا مطلب یہ ہے کہ تم ابھی بالکل بچہ ہو۔

Nora
نوشابہ۔ (مسکرا کر اور ٹہلتے ہوئے) بھلا تم ایسی بڑی بوڑھی کیسے ہو گئیں؟

Mrs Linda
ثریا۔ نہیں میں بڑی بوڑھی نہیں ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ تمہارا شاید یہ مطلب ہے کہ میں کسی سنجیدہ کام کرنے کے قابل

نہیں ہوں

Linda
ثریا۔ ٹھہرو ٹھہرو۔

Nora
نوشابہ۔ گویا مجھے ترددات وتفکرات سے اب تک دوچار ہونا ہی

نہیں پڑا۔

M. Linda
ثریا۔ پیاری نوشابہ! ذرا تو صبر کرو، تم نے تو ابھی مجھے اپنی

داستانِ غم سنائی تھی۔

Nora
نوشابہ۔ اونہہ، وہ تو ایسی ہی بیکار باتیں تھیں، میں نے تو ابھی

اہم واقعات بیان ہی نہیں کئے۔

M. Linda
ثریا۔ اہم واقعات، کیا مطلب؟

نوشابہ۔ ثریا! تم مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہو۔ ایسا تمھیں
نہیں کرنا چاہیئے۔ تم کو اس پر ناز ہی کہ تم نے اپنی ماں کے لئے ایک مدت تک
اتنے ایثار و محنت سے کام کیا؟

ثریا۔ نہیں میں تو کسی کو بھی حقارت سے نہیں دیکھتی، مگر مجھے اس کا
فخر ضرور ہی کہ میں اپنی ماں کے آخری ایام زندگی کو تفکرات سے مامون و
مصئون رکھ سکی۔

نوشابہ۔ تمھیں اس کا بھی فخر ہو گا جو تم نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا؟

ثریا۔ ہاں مجھے اس کا بھی حق حاصل ہی۔ مگر پیاری نوشابہ باغ عالم
میں طرح طرح کے پھول ہیں اور ہر پھول کی مہک ایک دوسرے سے جدا ہی۔

نوشابہ۔ میرا بھی یہی خیال ہی...... مگر میں اسی ایک بات کا فخر
کر سکتی ہوں۔

ثریا۔ درست ہی۔ ضرور ایسا ہو گا۔ وہ کیا بات ہی؟

نوشابہ۔ دبی زبان سے بات چیت کرو شاید مرزا سن لیں، میرا مقصد

یہ ہے کہ دنیا بھر میں سوائے تمہارے کسی کو معلوم نہ ہو۔

ثریّا۔ وہ کیا بات ہے؟

نوشابہ۔ لو اب میں تمھیں بتاتی ہوں ...... اچھا ...... سنو کہ میں نے مرزا کی کیسے جان بچائی۔

ثریّا۔ "جان بچائی"! وہ کیسے؟

نوشابہ۔ میں نے تم سے ابھی ابھی پہاڑ کے سفر کا قصہ بیان کیا تھا مرزا پہاڑ پر نہ جاتے تو غالباً بہ ہنم "کبھی جانبر نہیں ہو سکتے تھے۔

ثریّا۔ مگر اس سفر کا خرچ تو تمھارے ابا جان نے دیا تھا۔

نوشابہ۔ مرزا کا اور ساری دنیا کا یہی خیال ہے۔

ثریّا۔ مگر؟

نوشابہ۔ ابّا جان نے تو ایک پیسہ بھی نہ دیا۔ میں نے خود اس روپیہ کا انتظام کیا تھا۔

ثریّا۔ تم نے، اتنی بڑی رقم کا؟

نوشابہ۔ ہاں پورے ڈھائی ہزار روپیہ کا؟ کہو اب کیا خیال ہے؟

ثریا۔ نوشابہ! مگر تم نے اس کا کیسے انتظام کیا؟ کیا تمہیں لاٹری میں کوئی انعام مل گیا تھا؟

نوشابہ۔ (حقارت سے) لاٹری! پھر اس میں فخر کی کیا بات ہوتی؟

ثریا۔ پھر بتاؤ کہ تمہیں کہاں سے رقم ملی؟

نوشابہ۔ (مسکرا کر کچھ گنگناتے ہوئے) اونہہ

ثریا۔ تم قرض نہیں لے سکتی تھیں؟

نوشابہ۔ کیوں نہیں۔

ثریا۔ بیوی شوہر کی مرضی کے خلاف قرض نہیں لے سکتی۔

نوشابہ۔ (سر کو ایک ہلکی سی جنبش دے کر) نہیں عورتیں ہی کاروبار کی عقل رکھتی ہیں۔ عورتوں ہی میں عقل و دانش ہوتی ہے؟

ثریا۔ میرے تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کہتی ہو؟

نوشابہ۔ تمہارے سمجھ میں آنے کی ضرورت کیا ہے۔ میں نے تم سے

ہر کیب کہا کہ میں نے قرض لیا۔ میں کسی اور طریقہ سے حاصل کر سکتی تھی

(صوفے پر دراز ہو کر) میں نے شاید کسی منظورِ نظر سے یہ رقم لی۔

ثریا۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔

نوشابہ۔ تم بھی عجیب خبط میں پڑ گئیں۔

ثریا۔ تم بھی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔

نوشابہ۔ کیا شوہر کی جان بچانا کوئی بہکی بات ہے؟

ثریا۔ اُس کے مشورہ کے بغیر یہ راستہ اختیار کرنا ضرور بدعقلی ہے۔

نوشابہ۔ لیکن اس کی اشد ضرورت تھی کہ اُسکو علم نہ ہو۔ اب

سمجھیں ہ اُن کو یہ بھی نہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اُن کی حالت کیسی خطرناک

ہے۔ حکیم جی نے صرف مجھے ہی بتایا کہ اُن کی یہ حالت ہے اور پہاڑ پر لیجانا

اس قدر ضروری ہے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے یہ رقم حاصل کرنیکے

لئے اور تدبیریں نہ کی تھیں۔ میں نے خود مرزا سے کہا کہ میں پہاڑ پر

جاؤں گی۔ میں نے بہت ضد کی بابت روئی دھوئی، اُنکی خوشامد کی

یہاں تک کہا کچھ نہ ہو تو قرض لے لو، مگر انھوں نے ایک نہ سنی وہ یہی کہتے رہے کہ تم دیوانی ہو، شوہر کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں تمھیں اوہام میں گرفتار نہ ہونے دوں۔ مگر میری یہی دُھن تھی کہ اُس کی جان بچ جائے ان مشکل حالات کے ماتحت میں نے وہ تدبیر نکالی تھی۔

ثریا۔ تمھارے ابا جان سے کیا مرزا کو پتہ نہ چلا کہ یہ رقم انھوں نے نہیں دی؟۔

نوشابہ۔ وہ اُس وقت بیمار تھے۔

ثریا۔ اُس کے بعد بھی یہ راز تم نے مرزا کو نہ بتایا؟۔

نوشابہ۔ خدا کی پناہ۔ میں نے ایسا کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا۔ مرزا کو بتاتی؟ مرزا کو؟ مرزا نہایت اصول کے آدمی ہیں۔ علاوہ ازیں اُنکی کیسی ذلت ہوتی، اُن کا مسلک آزادانہ ہے، وہ اُسے کب گوارا کرتے کہ میرے روپے اُن کے کام میں خرچ ہوں ہمارے باہمی تعلقات برہم ہو جاتے اور ہمارا خوبصورت پیارا سا گھر برباد ہو جاتا۔

ثریا۔ تو کیا تم ہمیشہ اُسے خفیہ رکھو گی؟

نوشابہ۔ (غور کرتے ہوئے) ممکن ہو آج سے برسوں بعد کسی
دن میں اُن سے اس کا تذکرہ کر دوں۔ جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی،
اور میرا حُسن زائل ہو چکا ہوگا...... ثریا! ہنسو نہیں .... اُس زمانہ
میں جب مرزا میرے اس قدر گرویدہ نہ رہیں گے۔ جیسے کہ آجکل ہیں۔
(رُک کر) لاحول ولاقوۃ۔ وہ زمانہ کبھی نہ آئے گا۔ خیر۔ ثریا! اب بتاؤ
کیا یہ بات میرے لئے لائق فخر نہیں ہے؟ کیا اب بھی میں کسی مصرف کی نہیں
ہوں؟ میں یہ بھی تم کو بتانا چاہتی ہوں کہ اس کام نے مجھے مدتوں افسردہ
رکھا۔ قرارداد کے مطابق مجھے پہنچنے میں بڑی دقتیں پیش آتی تھیں۔ کاروباری
دنیا میں تمھیں معلوم ہے کہ ایک تو میعادی سود ہوتا ہے، اور ایک قسط وار
ادائیگی ہوتی ہے، مجھے ان دونوں کے بندوبست کرنے میں بڑی بڑی دقتیں
ہوتی تھیں۔ اِدھر اُدھر سے روپیہ بچانا پڑتا تھا۔ گھر کے خرچ میں سے پس انداز
کرنا پڑتا تھا جو بہت مشکل ہے، سب خوش خوراک ہیں۔ بچوں کے لئے بھی

اچھے اچھے کپڑوں کی ضرورت ہوتی تھی .... !

ثریا - تو یہ رقم گویا تمہاری ہی ضروریات زندگی میں سے نکلی ؟

نوشابہ - بیشک میں خود اس رقم کی ذمہ دار تھی - میرے کپڑوں کے لئے مرزا مجھے جس قدر روپیہ دیتے تھے میں اُس میں سے نصف خرچ کرتی ، اور نصف بچا لیتی - میں نے ہمیشہ ارزاں چیزیں خریدیں ، اور اُن ہی پر قناعت کی - خدا کا شکر ہے کہ میرے سادے کپڑے مجھ پر بھلے معلوم ہوتے ہیں -

ثریا - بیشک !

نوشابہ - اس کے علاوہ میں نے دیگر ذرائع سے بھی روپیہ حاصل کیا !

ثریا - تم نے کس قدر رقم ادا کر دی ہوگی ؟

نوشابہ - میں ٹھیک ٹھیک تو نہیں بتا سکتی - ایسے معاملہ کا حساب و کتاب رکھنا تو بہت دشوار ہو جاتا ہے - میں صرف یہ جانتی ہوں کہ ایک ایک پیسہ جو میں پس انداز کر سکی فوراً اُس کو دے چکی ہوں - اکثر میں پریشان ہو جاتی تھی (مسکرا کر) اور یہ خیال کرنے لگتی تھی کہ شاید ایک دولتمند ضعیف العمر

مجھ پر مفتوں ہو گیا ہی -

ثریا - وہ کون بزرگ تھے ؟

نوشابہ - یا اللہ چپ رہو، وہ تو مرگیا - اور اُس کے وصیت نامہ

میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہی کہ " میری ساری جائداد نقدی صورت میں

مہ جبیں نوشابہ کو دیدی جائے "

ثریا - پیاری نوشابہ ! آخر وہ بزرگ تھے کون ؟

نوشابہ - یا اللہ ! تم اب بھی نہ سمجھیں یہ تو............ جب

روپیہ کی تدبیر نہ ہوتی تھی تو میں اس خیال سے دل کو بہلاتی تھی............

مگر اب میرے لئے سب یکساں ہی - اب نہ مجھے اُس خیالی بڈھے کی پروا

ہی اور نہ اُس کی وصیت کی - اب میں تفکرات سے آزاد ہوں (اچھل کر)

ثریا ! - کیسا دل کش خیال ہی ! فکر سے آزاد .... آزاد .... بالکل

آزاد - سراسر آزاد - اب میں بچوں کے ساتھ جہاں چاہوں کھیلتی پھروں

گھر کو خوب آراستہ رکھوں - بالکل ایسی ہی جیسی کہ مرزا کی آرزو ہی - خیال تو

کہ عنقریب موسم بہار شروع ہونے والا ہے۔ کیا لطف رہے گا۔ پھر محرم آجائے گا۔ خوب تعزیے دیکھیں گے اور مجلسیں سنیں گے۔ اس کے بعد شاید پھر ایک دفعہ بمبئی جانا نصیب ہو جائے۔ چوپاٹی۔ پالوا بندر..... خدا کی پناہ..... (ہال میں گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے)

ثریا۔ (ہوئے) وہ گھنٹی بجی ...... لو اب میں جاتی ہوں۔

نوشابہ۔ نہ۔ ابھی نہ جاؤ۔ یہاں کوئی نہ آئے گا۔ کوئی صاحب ذرا سے ملنے آئے ہیں۔

بخشو۔ (دروازہ پر سے) حضور! خالد میاں سرکار سے ملنے آئے ہیں، اور سرکار حکیم صاحب سے گفتگو کر رہے ہیں۔

نوشابہ۔ کون صاحب ہیں؟

خالد۔ (دروازہ پر سے) بیگم صاحبہ! میں ہوں۔ (ثریا کھڑی ہو جاتی ہے، کانپنے لگتی ہے، اور کھڑکی کے پاس چلی جاتی ہے)۔

نوشابہ۔ (ایک قدم آگے بڑھتی ہے اور دبی آواز سے کہتی ہے)

آپ ہیں، کیا کام ہے؟ آپ مرزا صاحب سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟

Krogstag
خالد۔ کچھ بنک کا کام ہے۔ میں بنک میں ملازم ہوں۔ سنا ہے کہ مرزا صاحب بنک کے منیجر ہونے والے ہیں۔

نوشابہ۔ ہاں! پھر؟

Krogstag
خالد۔ کچھ نہیں، صرف بنک کا کام ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے؟

نوشابہ۔ تو پھر اُن کے کمرہ میں چلے جائیے۔ (لاپروائی سے سلام کرتی ہے، دروازہ بند کر کے واپس آتی ہے اور اسٹو میں آگ روشن کرتی ہے)

ثریا۔ یہ کون تھے؟

نوشابہ۔ تم نے انھیں نہیں پہچانا؟

ثریا۔ بہت عرصہ ہوا جب میں نے انھیں دیکھا تھا، ایک زمانہ میں وہ کسی وکیل کے ساتھ کام کرتے تھے۔

نوشابہ۔ ہاں وہی۔

ثریا۔ ہاں۔ اب تو بہت بدل گئے ہیں ؟

نوشابہ۔ ہاں اُن کی شادی بالکل ناکام رہی۔

ثریا۔ اب تو وہ بیوی کو مار چکے ؟

نوشابہ۔ ہاں کئی بچے ہیں (اپنی جھولا کرسی اسٹوو کے قریب لاتی ہے)

ثریا۔ سنا ہی کہ یہ اب کئی مختلف کام کرتے ہیں ؟

نوشابہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ شاید کرتے ہوں۔ اب کاروبار کا ذکر نہ کرو، طبیعت اچھی ہے (حکیم شفاء اللہ مرزا کے کمرہ میں آتے ہیں اور دروازہ بند کرنے سے قبل پکارتے ہیں " مہربان من اب میں تمہیں زیادہ وقت نہ کروں گا، تھوڑی دیر نوشابہ سے بات چیت کرلوں۔ (دروازہ بند کرتا ہی، اور ثریا کو دیکھتا ہی)) مجھے معاف کیجئے میں آپ کی گفتگو میں حارج ہوا۔

نوشابہ۔ بالکل نہیں۔ (وہ تعارف کراتے ہوئے) آپ حکیم شفاء اللہ

صاحب۔ یہ میری سہیلی ثریا ہیں۔

Dr. Rauf

حکیم جی۔ اس گھر میں آپ کا نام نامی اکثر سنا گیا ہے۔ غالباً آپ ہی

میرے ہمراہ کوٹھی میں داخل ہوئی تھیں۔ آپ بہت آہستہ چلتی ہیں۔

ثریا۔ جی ہاں میں ہی تھی۔ میں آجکل اچھی نہیں ہوں۔

Dr. Rauf

حکیم جی۔ کوئی شکایت ہے؟

ثریا۔ جی نہیں۔ اس زمانہ میں کام کی کثرت رہی، مضمحل اور خستہ

ہو رہی ہوں۔

Dr. Rauf

حکیم جی۔ اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ شاید یہاں سیر و

تفریح کی غرض سے آنا ہوا؟

ثریا۔ جی نہیں میں کام کرنے کی غرض سے آئی ہوں۔

Dr. Rauf

حکیم جی۔ یہ خوب علاج ہے۔

ثریا۔ حکیم صاحب! علاج و لاج کیا۔ زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ پہلے تو مجھے

زندہ رہنے کی سبیل کرنی ہے۔

حکیم جی۔ بیشک عام طور پر لوگوں کا یہی خیال ہے۔

نوشابہ۔ حکیم صاحب! آپ کو اس کا احساس ہے کہ آپ کو زندہ رہنے

کی آرزو ہے؟

حکیم جی۔ بیشک میں کیسی ہی تکلیف میں کیوں نہوں دل یہی چاہتا ہے

کہ عمر کچھ اور طویل ہو جائے۔ میرے سارے مریض بھی یہی چاہتے ہیں! ان

لوگوں کی بھی یہی حالت ہے جو اخلاقی امراض میں گرفتار ہیں اُن میں ایک

صاحب وہ ہیں جو اس وقت مرزا کے کمرہ میں وارد ہیں

ثریا۔ اوہو!

نوشابہ۔ آپ کا کیا مطلب ہے؟

حکیم جی۔ ایک وکیل ہیں شاید تم اُن کو نہیں جانتی ہو، وہ ایک سنگین

اخلاقی مرض میں گرفتار ہیں۔ اُن کے نزدیک بھی یہ نہایت ضروری ہے

کہ وہ زندہ رہیں........ (وہاں میں بھولا غور کرتے ہوئے)

خالد کو تو تم خوب جانتی ہوگی ؟

۱۲۷

نوشابہ ۔ مرزا سے وہ کیا گفتگو کر رہا ہے ؟

حکیم جی ۔ معلوم نہیں غالباً بنک کا کوئی معاملہ ہے

نوشابہ ۔ مگر اسے بنک سے کیا علاقہ ؟

Dr. Rauf

حکیم جی ۔ وہاں وہ ملازم ہے (ثریا) ؟ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف بھی

بد اخلاق آدمیوں کو چن چن کر معزز عہدے دیدئے جاتے ہیں ، اور

خوش اخلاق افراد تہی دستی میں زندگی گزارتے ہیں ۔

Mrs. Azeela

ثریا ۔ بیمار وہی ہیں جن کو تیمار داری کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ۔

حکیم جی ۔ (شانے ہلا کر) ٹھیک کہتی ہو ، یہی جذبہ تو سوسائٹی کو ایک

اسپتال بنانے میں کارفرما ہے ۔

(نوشابہ جو اپنے خیالات میں مستغرق تھی یکایک قہقہہ مارنے لگتی ہے اور

تالیاں بجاتی ہے)

حکیم جی ۔ (نوشابہ سے) کیوں یہ قہقہہ کیسا ؟ تمہیں معلوم ہے کہ سوسائٹی

کا صحیح مفہوم کیا ہی؟

نوشابہ۔ جی نہیں مجھے سوسائٹی کی مطلق پرواہ نہیں، میں کسی اور بات پرہنسی، بڑے مزے کی بات تھی۔ حکیم صاحب! کیا اب بنک کے سارے ملازم مرزا کے ماتحت ہو گئے؟

حکیم جی۔ کیا ہی مزہ دار بات تھی؟

نوشابہ (مسکراتے اور گنگناتے ہوئے) تمھیں اس سے کیا؟ (کمرہ میں ٹہلتے ہوئے) خوب ٹھاٹھ۔ خوب ٹھاٹھ رہیں گے، مرزا اتنے آدمیوں پر حکومت کریں گے (جیب سے ایک ڈبہ نکالتے ہوئے) حکیم صاحب بسکٹوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہی؟

حکیم جی۔ ان بسکٹوں کی تو یہاں ممانعت تھی۔

نوشابہ۔ یہ تو مجھے ثریا نے دئے ہیں۔

ثریا۔ میں نے؟

نوشابہ۔ ڈرو نہیں۔ تمھیں کیا معلوم کہ مرزا نے یہاں ان بسکٹوں کی

ممانعت کر دی ہے۔ انھیں خوف ہے کہ کہیں میرے دانت خراب نہ ہو جائیں۔ تم تو جانتی ہو میرے دانت کیسے خوبصورت ہیں۔ مگر کیا مضائقہ ہے حکیم صاحب آپ کی اجازت ہے (ایک بسکٹ منہ میں رکھتی ہے) تو ثریا تم بھی ایک لے لو اچھا، میں ایک اور لئے لیتی ہوں۔ (ٹہلتے ہوئے) آج مجھے بیحد بشاشت محسوس ہوتی ہے، صرف ایک بات اور ہے جو میں کرنا چاہتی ہوں۔ توبہ.....

توبہ..... لعنت ہے مجھ پر!

حکیم جی۔ تم کچھ پاگل ہو

ثریا۔ نوشابہ!

Mr. Rant

حکیم جی۔ یہ لو مرزا بھی آ گئے۔ اب بولو۔

(نوشابہ اپنی قمیض کی جیب چھپاتے ہوئے) خاموش! خاموش!!

(مرزا اپنے کمرہ سے برآمد ہوتا ہے، کوٹ اُس کے بازو پر پڑا ہے اور ٹوپی ہاتھ میں ہے۔)

نوشابہ۔ (مرزا سے) اُس سے چھٹکارا مل گیا!

نادر مرزا - ہاں ابھی ابھی -

نوشابہ - مجھے تعارف کرانے دو، (ثریا کی جانب اشارہ کرکے) یہ میری

سہیلی ثریا ہیں - آج ہی یہاں آئی ہیں -

نادر مرزا - ثریا ؟ میں نے انھیں نہیں پہچانا -

نوشابہ - ایسے ننھے بن گئے ؟

نادر مرزا - اچھا - اچھا تمھاری ہم جماعت ہیں ؟

ثریا - بیشک میں نوشابہ کے ساتھ پڑھا کرتی تھی -

نوشابہ - دیکھو بیچاری اتنی دور سے تم سے ملنے آئی ہیں -

نادر مرزا - مجھ سے یا تم سے ؟

نوشابہ - اجی، جناب سے -

نادر مرزا - بہت خوب -

ثریا - میں تو ....

نوشابہ - ثریا بی کھاتے میں عمدہ مہارت رکھتی ہیں، عمدہ ٹائپ کرتی

ں اور یہ چاہتی ہیں کہ اچھی سی جگہ مل جائے۔

نادر مرزا۔ بہت خوب۔

نوشابہ۔ جب اُس نے یہ سُنا کہ تم افسر مقرر ہو گئے ہو ...... اخباروں

ں بھی تو چھپ گیا ہے ...... یہ فوراً چل دیں ...... مرزا! تمھیں میری

سم! ضرور تمھیں ان کی مدد کرنی ہوگی۔

Helmer
نادر مرزا۔ کیا مضائقہ ہے۔ میں حاضر ہوں ...... یہ شاید بیوہ ہیں؟

Mrs. Linde
ثریا۔ جی ہاں۔

Helmer
نادر مرزا۔ آپ نے کون کونسے امتحان پاس کیے ہیں؟

ثریا۔ میں ایف اے ہوں اور ٹائپ و بہی کھاتہ کی سند حاصل کر چکی ہوں۔

نادر مرزا۔ تب تو میں کسی جگہ کا انتظام آپ کے لئے کر سکوں گا۔

نوشابہ۔ (تالیاں بجا کر) میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ ثریا! یاد ہے؟

نادر مرزا۔ (ثریا سے) آپ بڑے اچھے موقعہ پر آ گئیں۔

ثریا۔ میں آپ کی بیحد شکر گزار ہوں۔

نادر مرزا۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ (کوٹ پہن کر) آج آپ سب مجھے معاف کریں۔

Dr. Rank
حکیم جی۔ ایک منٹ ٹھہریے، میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ مہربانی کر کے دور نہ جائیے گا۔

Helmer
نادر مرزا۔ بس مجھے ایک گھنٹہ لگے گا۔ اس سے زائد نہیں۔

Nora
نوشابہ۔ (ثریا سے) کیا تم بھی چلدیں؟

ثریا۔ (برقع اوڑھ کر) میں بھی جاتی ہوں۔

Helmer
نادر مرزا۔ تو پھر ہم سب ساتھ ساتھ روانہ ہو سکتے ہیں

Nora
نوشابہ۔ افسوس ہے کہ ہمارے مکان میں ذرا بھی گنجائش نہیں ورنہ

....

Mrs Linde
ثریا۔ کچھ فکر نہ کرو، نوشابہ! آداب۔ خدا حافظ۔

نوشابہ۔ آداب۔ مگر شام کو ضرور آنا! حکیم صاحب آپ بھی! آپ کو بھی آنا ہوگا۔ کیا خیال ہے؟ اگر آپ اچھے رہے۔ مفلر خوب لپیٹ لیجئے

(وہ تینوں بات چیت کرتے ہیں - بچوں کی آواز آتی ہے)

نوشابہ - وہ آئے وہ آئے .... (دوڑ کر دروازہ کھولتی ہے بچوں کے ساتھ دایہ بھی داخل ہوتی ہے) آؤ - اندر آؤ - میرے پاس آؤ - ثریا! دیکھو کیسے پیارے بچے ہیں - کیسے خوبصورت ہیں - بالکل دیوالی کے کھلونے معلوم ہوتے ہیں - حکیم جی چلئے - مرزا صاحب چلئے -

نادر مرزا - چلئے - اب یہ کرہ تو صرف ایک ماں کے لئے قابلِ برداشت ہوگا!

(حکیم جی - مرزا - ثریا باہر جاتے ہیں - دایہ بچوں کے ساتھ اندر آتی ہے - نوشابہ دروازہ بند کر دیتی ہے)

نوشابہ - (بچوں سے مخاطب ہو کر) تم کیسے بھلے اور خوش رنگ معلوم ہوتے ہو - ایسے لال لال گال سیب کے مانند - گلاب کے پھول کی طرح (دونوں بچے ایک ہی ساتھ بات چیت کرتے ہیں، شور مچاتے ہیں، ماں سے لپٹتے ہیں، نوشابہ اُن سے بات چیت کرتی ہے) کیوں!

کہاں تھے؟ خوب کھیلے؟ بڑا لطف آیا ہوگا؟ ننّھے تم نے مُنّے کو دھکا دے کر گرا دیا۔ خوب کیا۔ ننّھے تم بڑے چلتے پرُزے معلوم ہوتے ہو۔ آؤ ننّھے ذرا میری گود میں آؤ میں تمھیں پیار کر لوں۔ (مُنّے کو گود میں لے کر اُچھلنے کودنے لگتی ہے) ننّھے ٹھہرو، میں تمھیں بھی لیکر ناچوں گی۔ تم امرودوں کے باغ میں کھیل رہے تھے۔ اچھا۔ دایہ! ان کے کپڑے بدل دو، اور ان کو چائے پلا دو۔ اسٹوو پر چائے گرم ہو رہی ہے۔

(دایہ بائیں کمرہ میں جاتی ہے۔ نوشابہ خود اُن کے کپڑے اُتار کر اِدھر اُدھر منتشر کر دیتی ہے، دونوں بچّے پھر یکبارگی باتیں کرنے لگتے ہیں)

نوشابہ۔ مُنّے! تم پر کوئی بڑا سا کُتّا بھونکا تھا۔ تمھیں کاٹا تو نہیں۔ اچھا تم نے اگر اب ضد کی تو اُسی کُتّے کو بلا لوں گی۔ جو بچے روتے نہیں انھیں کتا نہیں کاٹتا۔ ننّھے اِن پارسلوں کو نہ چھیڑو۔ میرے پاس آؤ۔ ذرا کھیل لیں...... کون کھیل کھیلو گے؟...... اچھا آنکھ مچولی کھیلیں گے، ننّھے پہلے تم چھپو۔ لو، اچھا، میں خود چھپی جاتی ہوں۔

(نوشابہ اور دونوں بچے کودتے اور شور مچاتے پھرتے ہیں) آخرکار

نوشابہ میز کے نیچے چھپ جاتی ہے۔ بچے ادھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں مگر نوشابہ

ابتک اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ گو اُس کی دبی ہوئی قہقہوں کی آواز

اُن کے کانوں میں برابر آتی ہے۔ وہ میز کی جانب دوڑتے ہیں۔ میز پوش

اُٹھا کر نوشابہ کو پا لیتے ہیں۔ قہقہوں کی مسلسل آوازیں۔ وہ دوزانو ہو کر

بیٹھ جاتی ہے اور بچوں کو وہ ڈرانا چاہتی ہے۔ پھر قہقہوں کی مسلسل آوازیں

اسی درمیان میں دروازہ پر کوئی دستک دیتا ہے، مگر کوئی نہیں سنتا،

دروازہ آدھا کھلتا ہے۔ خالد آموجود ہوتا ہے۔ کچھ دیر انتظار کرتا ہے۔ ابتک

سب کھیل میں منہمک ہیں۔)

نوشابہ۔ (منہ پھیر کر کھڑی ہوتی اور چونک جاتی ہے) آہا! آپ

کیا چاہتے ہیں؟۔

خالد۔ معاف کیجئے، باہر کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ شاید بند کرنا بھول گئے

نوشابہ۔ مرزا صاحب اس وقت باہر ہیں۔

Kragstage
خالد۔ مجھے معلوم ہے۔

NW
نوشابہ۔ پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

Kragstage
خالد۔ آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔

NW
نوشابہ۔ (متعجب ہو کر) مجھ سے؟ (بچوں سے مخاطب ہو کر)

جاؤ، دایہ کے پاس جاؤ...... جاؤ... تھوڑی دیر میں پھر کھیل شروع

کریں گے۔ آپ مجھ سے کچھ گفتگو شروع کرنا چاہتے ہیں۔

Kragstage
خالد۔ جی ہاں!

NW
نوشابہ۔ آج پہلی تاریخ نہیں ہے

خالد۔ نہیں کل عید ہے۔ اُس کا دارومدار تم ہی پر ہے کہ تم کیسی عید مناتی ہو

نوشابہ۔ کیا...... آج تو میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتی۔

خالد۔ میں یہ چاہتا ہی نہیں...... کم از کم دو منٹ تو آپ مجھے دے

سکتے ہیں؟۔

نوشابہ۔ جی۔ فرمایئے۔ مگر

خالد۔ میں ہوٹل میں تھا۔ میں نے مرزا صاحب کو جاتے ہوئے دیکھا۔

نوشابہ۔ جی!

خالد۔ ایک لیڈی کے ساتھ۔

نوشابہ۔ پھر؟۔

خالد۔ کیا وہ ثریا تھیں؟

نوشابہ۔ ہاں ثریا تھیں۔

خالد۔ یہاں ابھی آئی ہیں؟۔

نوشابہ۔ آج ہی آئی ہیں۔

خالد۔ تمھاری بڑی دوست ہیں؟

نوشابہ۔ بیشک...... مگر......

خالد۔ میں بھی ایک زمانہ میں اُن سے واقف تھا۔

نوشابہ۔ مجھے معلوم ہے۔

خالد۔ (چونک کر) تمھیں معلوم ہے، تو تم سارا ماجرا جانتی ہوگی، میرا بھی

یہی خیال تھا - خیر ان باتوں سے کیا حاصل - اب یہ بتاؤ کہ ثریّا کو کوئی جگہ

بنک میں ملنے والی ہے؟

نوشابہ - تم مجھ سے یہ کیوں پوچھتے ہو، تم میرے شوہر کے ایک ماتحت

ہو - خیر اب تم نے پوچھا ہے تو سن بھی لو - ثریّا کو عنقریب بنک میں کوئی جگہ

مل جائے گی، بس یہ سمجھ لو کہ مل گئی، خالد! تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اُن کے

لئے سفارش کی ہے -

خالد - تو میرا خیال درست نکلا -

نوشابہ - بعض دفعہ میرا اثر بھی کام کر جاتا ہے ...... میں چونکہ عورت

ہوں اس لئے ...... ماتحتوں کو چاہئے کہ وہ دل آزاری ہرگز نہ کریں -

خالد - کس کا اثر؟

نوشابہ - میرا -

خالد - آپ کا یا مرزا صاحب کا؟

نوشابہ - کیا مطلب؟

خالد۔ براہ کرم اتنا کرو کہ میں بنک کی نوکری سے برطرف کیا جاؤں

نوشابہ۔ کیا؟ آخر تمھاری آسامی کون چھینے لیتا ہے۔

خالد۔ اب مجھے اپنا راز فاش ہو جانے دیجئے، مجھے یقین ہے کہ تمھاری سہیلی میری حریف نہ بنیں گی۔

نوشابہ۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ ....

خالد۔ بیگم صاحبہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ آپ میرے لئے سعی کریں۔

نوشابہ۔ مسٹر خالد ان پہ میرا کیا اثر ہے؟

خالد۔ کیا اثر ہے! ابھی آپ نے کیا فرمایا تھا؟

نوشابہ۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ تم اس پر حاشیہ لگاؤ، بھلا تم کیونکر سمجھے کہ میں مرزا صاحب پر ان معاملات میں اثر ڈال سکتی ہوں؟

خالد۔ بیگم صاحبہ، آپ مجھے بھول جاتی ہیں۔ مرزا صاحب کے ساتھ میں مدتوں رہا ہوں ان کا کیا قریبی عزیز ہوں۔ میں اُن کی خو بو سے خوب واقف ہوں، وہ بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ دنیا میں بالعموم شوہر ہوا کرتے ہیں

نوشابہ۔ (غصہ میں) اگر آپنے میرے شوہر کی تحقیر کی تو اچھا نہ ہوگا۔

خالد۔ بیگم صاحبہ! آپ کو غصہ آگیا۔؟

نوشابہ۔ میں اب تم سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں...... نور وز آتے ہی میں تمام مطالبات سے بری ہو جاؤں گی۔

خالد۔ (ضبط کرکے) بیگم صاحبہ سنئے! ضرورت کے وقت میں اپنی آسامی کے لئے مردانہ وار لڑوں گا جس بہادری سے کہ سپاہی اپنی جان کے لئے لڑتا ہے۔

نوشابہ۔ مجھے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

خالد۔ مجھے روپیہ کا لالچ نہیں ہے۔ ایک اور وجہ ہے۔ لیجئے میں سنائے دیتا ہوں۔ میں بھی عجیب کشمکش میں ہوں۔ عرصہ ہوا کہ مجھ سے ایک نادانی ہوگئی تھی جس کا خمیازہ آج تک بھگت رہا ہوں۔

نوشابہ۔ میں نے بھی کچھ ایسا ہی سنا تھا۔

خالد۔ معاملہ عدالت میں تو کبھی نہ آیا۔ مگر اس کے بعد میرے لئے سارے

راستے مسدود ہو گئے، اس لئے میں کاروبار میں پڑ گیا، اب مجھے اُس سے بھی گلو خلاصی کرنا پڑ رہی ہے، میرے لڑکے بڑے ہوتے جا رہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ شہر میں اپنی کھوئی ہوئی عزت پھر حاصل کر لوں۔ اس کے لئے بنک کی ملازمت پہلی کڑی ہے۔ اب مرزا صاحب مجھے پھر غار میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں۔

Nora
نوشابہ۔ میرا یقین کرو کہ میرے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

Krogstad
خالد۔ یہ صرف اس لئے کہ آپ میری مدد کرنا نہیں چاہتی ہیں، مگر میں آپ کو مجبور کر سکتا ہوں۔

Nora
نوشابہ۔ تو کیا تم مرزا سے کہدو گے میں تمہاری مقروض ہوں؟

Krogstad
خالد۔ اگر میں کہدوں؟

نوشابہ۔ سخت بد اخلاقی ہو گی۔ (سسکیاں بھرتے ہوئے) یہ راز، جو میرے فخر و انبساط کا باعث ہے۔ مرزا کو معلوم ہو جائے، اور پھر ایسے بھدے طریقے سے، یعنی تمہاری زبانی، افسوس صد افسوس، میری پوزیشن

کیسی بھدّی اور ناقابلِ برداشت ہو جائے گی۔

خالد۔ ناقابلِ برداشت تو نہیں مگر ہاں۔ بھدّی ضرور ہو جائے گی۔

نوشابہ۔ (مجبور ہو کر) تم یہ بھی کر گزرو، مرزا کو خود بخود معلوم ہو جائیگا

کہ تمہارے کیسے لچھن ہیں، وہ خود تم کو نکال باہر کریں گے۔

خالد۔ تو تم محض ایک غیر خوشگوار سین سے ڈرتی ہو؟

نوشابہ۔ مرزا کو اگر معلوم ہو جائے گا تو فوراً تمہارا روپیہ ادا کر دیا جائیگا

اور پھر تم سے کوئی واسطہ و سروکار نہ رہے گا۔

خالد۔ (ایک قدم قریب تر آ کر) بیگم صاحب سنئے! یا تو آپ کی یادداشت

خراب ہی، یا آپ کاروبار بالکل جانتی ہی نہیں۔ میں مجبور ہو کر چند تفصیلات آپکی

خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

نوشابہ۔ کیا؟

خالد۔ جب مرزا صاحب علیل تھے تو آپ مجھ سے ڈھائی ہزار روپیہ

قرض لینے آئی تھیں۔

نوشابہ - کیونکہ میں تم ہی سے واقف تھی -

خالد - میں نے یہ رقم مہیا کر دی -

نوشابہ - جی -

خالد - مگر اُن کی شرط آپ بھول گئیں - آپ پر سفر اس قدر حاوی تھا کہ آپ نے اُن شرائط کی ذرا بھی پرواہ نہ کی - میں نے آپ کو یہ قرض ایک دستاویز لکھنے کے بعد دیا تھا -

نوشابہ - ہاں میں نے اُس پر اپنے دستخط بھی کئے تھے -

خالد - آپ کے دستخط کے نیچے چند اور سطریں تھیں، جن میں آپ کے والد کا ضامن ہونا درج تھا اُس کے نیچے آپ کے والد کے دستخط ہونے چاہیئے تھے، اُنھوں نے دستخط کئے تھے ؟

نوشابہ - ہونا چاہیئے تھے، اُنھوں نے دستخط کئے تھے -

خالد - میں نے تاریخ کی جگہ خالی چھوڑ دی تھی جہاں آپ کے والد ماجد کو تاریخ درج کرنا چاہیئے تھی - آپ کو یاد ہے ؟

نوشابہ۔ ہاں ..... ہاں مجھے یاد ہے۔

خالد۔ میں نے وہ ضمانت آپ کو دیدی تھی کہ آپ ڈاک میں اسے اپنے والد کے پاس روانہ کردیں۔

نوشابہ۔ ہاں۔

خالد۔ آپنے وہ دستاویز فوراً روانہ کردی، پانچ چھ روز کے بعد آپ نے اُسے میرے پاس بھیجا اُس پر اُن کے دستخط موجود تھے تب اُنکو روپیہ ملا۔

نوشابہ۔ بیشک، تو کیا میں پابندی سے ادا نہیں کررہی ہوں؟

خالد۔ ضرور، بیگم صاحبہ۔ وہ زمانہ آپ کے لئے نہایت پُر آشوب ہوگا

نوشابہ۔ نہایت پُر آشوب۔

خالد۔ آپ کے والد ماجد بہت علیل تھے؟

نوشابہ۔ اللہ بخشے وہ تو مرض الموت میں گرفتار تھے۔

خالد۔ اس کے بعد ہی اُن کا انتقال ہوگیا؟

نوشابہ۔ جی ہاں۔

خالد۔ آپ کو یاد ہی کہ آپکے والد کا کس دن انتقال ہوا؟

نوشابہ۔ ۲۹ ستمبر دوپہر کے دو بجے۔

خالد۔ ٹھیک! میں نے خود اُس کی تحقیقات کرلی ہی........ کیونکہ ایک عجیب غلطی معلوم ہوتی ہی کہ جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

نوشابہ۔ کیسی غلطی؟

خالد۔ غلطی یہ ہی کہ آپکے والدِ ماجد کے انتقال سے تین دن بعد دستخط کیے گئے ہیں۔

نوشابہ۔ (بے چین ہوکر) یعنے؟

خالد۔ آپ کے والد ۲۹ ستمبر کو سدھارے۔ مگر دیکھو دستخط کے نیچے ۲ اکتوبر درج ہی۔ کیسی فاش غلطی ہی (نوشابہ دم بخود ہو جاتی ہی) آپ اُسے سمجھا سکتی ہیں؟ (نوشابہ اب تک خاموش ہی) یہ بھی غور طلب ہی کہ سنہ اور تاریخ آپکے والد کی مخصوص تحریر نہیں ہی۔ یہ ایک ایسے شخص کا خط ہی جسکو میں بخوبی جانتا ہوں۔ اُس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہی۔ غالباً آپ کے والد

تاریخ ڈالنا بھول گئے اور کسی اور نے اُن کے مرنے سے قبل ایک فرضی تاریخ ڈال دی .... اس میں کیا مضائقہ ہی - دستخط زیادہ اہم ہوتے ہیں اور وہ دادو ستد ہیں - بیگم صاحبہ آپ کے والد نے خود یہ دستخط کئے تھے ؟ -

(نوشابہ کچھ وقفہ کے بعد اپنا سر بلند کرتی ہی ، اور سخت نگاہوں سے خالد کو دیکھتی ہی)

نوشابہ - جی نہیں اُنھوں نے دستخط نہیں کئے ، میں نے اُن کا نام لکھ دیا تھا -

خالد - آپ کو معلوم ہی کہ یہ ایک خطرناک جُرم ہی ؟

نوشابہ - کیوں ؟ آپ کو روپیہ جلد واپس مل جائے گا -

خالد - آخر آپنے یہ کاغذات اپنے والد کے پاس کیوں نہ بھیجے تھے ؟

نوشابہ - یہ سراسر ناممکن تھا - ابا جان اس قدر علیل تھے ، وہ یہ ضرور دریافت کرتے کہ آخر اس رقم کی کیا ضرورت ہی " - اور ایسی حالت میں یہ کیسے بتایا جاتا کہ " مرزا کی زندگی معرضِ خطر میں ہی " - اِس سے زیادہ نادانی اور کیا ہوتی

خالد۔ تو آپ سفر ملتوی کر دیتیں !۔

نوشابہ۔ یہ بھی ممکن نہ تھا، مرزا صاحب کی جان کے لالے پڑے ہوئے

تھے، سفر کیسے ملتوی ہوتا ؟

خالد۔ آپ کو کبھی یہ بھی خیال ہوا کہ آپ ایک سخت جرم کر رہی ہیں ؟

نوشابہ۔ مجھے اس کا خیال بھی نہ آیا ! نہ میں نے کبھی اُس کی پروانہ کی

مجھے یاد ہے کہ تم نے میرے راستے میں کیسے روڑے اٹکائے تھے، گو تمھیں

یہ معلوم تھا کہ میرے شوہر کی زندگی معرضِ خطر میں ہے۔

خالد۔ بیگم صاحبہ ! آپ کو اب تک یہ نہیں معلوم کہ آپ سے کیا جرم سرزد

ہو گیا ! لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے بھی عرصہ ہوا، ایک ایسی

ہی لغزش ہو گئی تھی جس نے میری ساری عزت نیست و نابود کر دی اور

جس کی پاداش میں آج تک بھگت رہا ہوں۔

نوشابہ۔ آپ نے ؟ میں یقین کرلوں کہ "آپ نے اپنی بیوی کی جان بچانے

کے لئے یہ خطرہ برداشت کیا ؟" مگر قانون میں جذبات کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔

نوشابہ۔ تو قانون بڑے غلط ہیں!

خالد۔ غلط یا صحیح، اِس کا سوال اس وقت نہیں بہرحال آپ انسانی قوانین کے ماتحت ہیں، اور عدالتوں میں یہی قانون جاری ہیں۔

نوشابہ۔ توبہ توبہ۔ ہوا کریں مجھے اس کی پرواہ نہیں، غضب خدا کا، لڑکی کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی جان بچانے کے لئے تدبیریں کرسکے۔ میں تو قانون کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ مگر ایسے قانون ضرور ہوں گے جن میں ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہوگا۔ تم تو خود وکیل ہو، تمھیں اس کی خبر نہیں۔ تمھیں کیا خاک قانون آتا ہے۔؟

خالد۔ خیر۔ میں کاروبار کے قاعدوں سے ضرور واقف ہوں، اور اچھی طرح واقف ہوں............ خیر زیادہ گفت و شنید سے کیا واسطہ۔ میں یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ اگر میں موقوف ہوا تو آپ کی بھی خیر نہیں ہے۔

(وہ سلام کرکے باہر جاتا ہے)

نوشابہ۔ (تھوڑی دیر تک خیالات میں محو رہتی ہے، پھر اپنا سر ملتی

کرتی ہی)، واہیات - حماقت - خالد مجھے اس طرح ڈرانا چاہتا ہی- میں ایسی
احمق نہیں ہوں (بچوں کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے کپڑے درست کرنے لگتی ہی)
ناممکن ہیں نے یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے کیا- کیا حرج ہوا؟
بچے - (دروازہ میں سے جھانک کر) امّاں جان وہ باہر چلے گئے؟
نوشابہ - ہاں چلے گئے (محبت سے) مگر اِس کا ذکر کسی سے نہ کرنا سُنا؟
بچے - بہت اچھا - اچھا اب آؤ ہمارے ساتھ کھیلو-
نوشابہ - نہیں کھیل ہو چکا
بچے - امّاں جان!! آپ نے ابھی کہا تھا-
نوشابہ - بیشک وعدہ کیا تھا- اب مجھے بہت سا کام کرنا ہی- کام
بہت ہی- سنا؟ جاؤ دایہ کے ساتھ ساتھ چلے جاؤ، میں ابھی آتی ہوں-
(بچے آہستہ آہستہ واپس چلے جاتے ہیں، نوشابہ دروازہ بند کر دیتی
ہی- پھر صوفے پر بیٹھ جاتی ہی، کچھ سینے لگتی ہی- پھر سینا چھوڑ دیتی ہی، چلّانے
لگتی ہی) خیرن! عید کے تحائف یہاں اُٹھا لاؤ، دیکھو سوئیاں کیسی ہیں

(بائیں جانب میز تک جاتی ہے، ایک دراز کھولتی ہے اور پھر رک جاتی ہے) نہیں
نہیں۔ سراسر ناممکن۔

خیرن۔ (تحائف ایک قاب میں لاتی ہے) بیگم صاحبہ انھیں کہاں رکھوں؟

نوشابہ۔ یہاں، فرش پر۔

خیرن۔ کچھ اور لاؤں؟

نوشابہ۔ نہ (خیرن چلی جاتی ہے)

نوشابہ۔ (سویّوں کو ہاتھ میں لیتے ہوئے) خوب ہیں کیسی خستہ ہیں۔۔
بڑا خطرناک آدمی ہے۔ واہیات۔ کیا مضائقہ۔ سویاں خوب مزے دار
ہوں گی...... مرزا! میں خود آپ کے لئے سوّیاں پکاؤں گی اور خود اپنے
ہاتھ سے کھلاؤں گی (مرزا چند کاغذات لئے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے)

نادر مرزا۔ کیوں نوشابہ! کوئی ملنے آیا تھا؟

نوشابہ۔ کوئی نہیں۔

نادر مرزا۔ تعجب ہے۔ میں نے ابھی خالد کو کوٹھی سے نکلتے ہوئے دیکھا۔

نوشابہ - اچھا! ہاں، میں بھولی، خالد ایک منٹ کے لئے آئے تھے-

نادر مرزا - نوشابہ! میں تمھارے انداز سے سمجھ گیا، وہ ضرور یہاں آیا اور سفارش کرنے کے لئے تمھاری منت کر گیا-

نوشابہ - بیشک-

نادر مرزا - تم اُن کا آنا چھپانا چاہتی تھیں، کہ تمھاری سفارش زیادہ مؤثر ہو!-

نوشابہ - ہاں-

نادر مرزا - نوشابہ! تم اِس معاملہ میں ایک فریق بنی جاتی ہو- تعجب ہے کہ تم نے اُس سے بات کی اور مدد کا وعدہ کیا- اور پھر جھوٹ بولا-

نوشابہ - جھوٹ؟

نادر مرزا - تم نے ابھی کہا تھا کہ یہاں کوئی بھی نہیں آیا تھا- (اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) جانِ من! اب پھر ہرگز یہ نہ کرنا- تمھارے لبہائے لعلیں جھوٹ کی آمیزش سے پاک ہونے چاہئیں تمھارے منھ سے غلط بات کیوں نکلے

(کمر میں ہاتھ ڈال کر) سمجھیں ؟ شاباش ؟ شاباش ! اچھا ! اب یہ قصہ ختم کرو (اسٹوو کے پاس بیٹھ کر) بڑی پُر لطف آگ ہے - (کاغذوں کو اُلٹنے پلٹنے لگتا ہے)

نوشابہ - مرزا !

نادر مرزا - جی -

نوشابہ - یہ کیا کاغذات ہیں ؟

نادر مرزا - بنک کے -

نوشابہ - ابھی سے ؟

نادر مرزا - ہاں سابق منیجر نے کام چھوڑ دیا ، اور مجھے ہدایت کی ہے کہ میں اسٹاف میں ضروری ردّ و بدل کروں اس لئے مجھے ابھی سے کام شروع کر دینا پڑا - چاہتا ہوں کہ پہلی تاریخ سے کام باقاعدہ شروع ہو جائے -

نوشابہ - اچھا جب ہی خالد آئے تھے -

نادر مرزا - ہُوں -

نوشابہ۔ دیکھو مرزا! یہ سوئیاں کیسی خستہ اور ہلکی ہیں .... ہاں
یہ تو فرمایئے کہ خالد کا قصور کیا ہے؟

نادر مرزا۔ جعلسازی۔ تمہیں معلوم ہے جعلسازی کیا جرم ہے؟

نوشابہ۔ جعلسازی ...... شاید اس نے مجبوراً کی ہو؟

نادر مرزا۔ یا اپنی حماقت سے۔ جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ آدمی کی ایک ہی لغزش پر اُسے مردود کر دوں۔

نوشابہ۔ نہیں، بھلا تم ایسا کیوں کرو گے۔

نادر مرزا۔ بہت سے آدمی ایک آدھ لغزش کے بعد سنبھل جاتے ہیں۔ وہ اپنے جُرم کا اقرار کر لیتے ہیں۔ اور یا سزا پا لیتے ہیں۔

نوشابہ۔ سزا؟

نادر مرزا۔ مگر خالد نے ایسا نہ کیا، وہ چالاکی سے آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتا ہے۔ اور اسی لئے روز بروز گرتا چلا جا رہا ہے۔

نوشابہ۔ روز بروز؟

2\3\95

نادرمرزا۔ سنو! ایسے آدمی ہر شخص سے جھوٹ بولتے ہیں، اور قدم قدم پر تصنّع کرتے رہتے ہیں۔ اپنے عزیزوں اور گھر والوں سے بھی اُس کو پردہ رکھنا پڑتا ہے......... بچوں......... بچوں کا بُرا حشر ہوتا ہے۔ بیوی پر قیامت آ ٹوٹتی ہے۔

نوشابہ۔ (متعجب ہو کر) یہ کیسے؟

نادرمرزا۔ کیونکہ گھر بھر میں کذب و افترا کی فضا طاری ہو جاتی ہے۔ اور اُن کے ہر سانس سے جھوٹ و مکر کے جراثیم کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔

نوشابہ۔ واقعی!

نادرمرزا۔ جانِ من! میں نے وکیل کی حیثیت سے بارہا دنیا میں اس کا تجربہ کیا ہے......... ہر وہ لڑکی یا لڑکا جو اوائل عمر میں مکر و فریب کا بندہ ہو، کبھی اچھے ماں باپ نہیں بن سکتے، وہ گھر دوزخ ہے جس میں جھوٹ، فریب مکر، ریاکاری، اور فسق و فجور کی گرم بازاری ہو۔

نوشابہ۔ بیشک۔

نادر مرزا۔ اس میں ماں سے زیادہ باپ کی اور باپ سے زیادہ ماں کی ذمہ داری ہے۔ دنیا کا ہر عاقل اس رائے سے واقف ہے...... اس خالد نے ہمیشہ اپنے بچوں اور بیوی کو جھوٹ کے زہر کا لقمہ کھلایا (نوشابہ کا ہاتھ پکڑ کر) اسی لئے میری پیاری نوشابہ کو اُس کی سفارش نہیں کرنا چاہیئے...... آؤ، وعدہ کرو...... لو یہ طے ہو گیا...... میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اُس کے ساتھ کام نہ کر سکوں گا...... ایسے لوگوں کی دوستداری سے میری روح بغاوت کرتی ہے۔

نوشابہ۔ (اُس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لیتی) آگ کیا لطف دے رہی ہے! آج مجھے بہت کام کرنا ہے۔

نادر مرزا۔ مجھے بھی! کھانے سے قبل مجھے یہ سارے کاغذات پڑھ لینا چاہئیں...... میری گرانبہا بلبل! مجھے عید کے لئے تمھارے جوڑے کا انتخاب کرنا ہے۔

نوشابہ۔ (نہایت دبی آواز سے) نہیں...... نہیں...... یہ بالکل ناممکن ہے

(دایہ دروازہ کھولتی ہے)

دآیہ - بچے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں -

نوشابہ - نہیں ابھی نہیں -

دآیہ - بہت خوب -

نوشابہ (خوف سے زرد ہو جاتی ہی) میں بچوں کو تباہ کر رہی ہوں گھر میں سمیّت پھیلا رہی ہوں - یہ پردہ داری (کچھ وقفہ کے بعد اپنا سر بلند کرتی ہی) یہ غلط ہی - سراسر غلط -
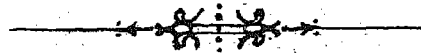
دوسرا ایکٹ

(وہی سین، وہی کمرہ نوشابہ کی شال اور سوئیٹر صوفے پر بکھرے پڑے ہیں۔
وہ اس وقت کمرہ میں تنہا ہے، اور اپنی شال اُٹھاتی ہے)

نوشابہ۔ (شال پھینک کر) کوئی آتا ہوا............. دروازہ تک
جاتی ہے اور کان لگا کر سنتی ہے، نہیں۔ کوئی بھی نہیں ہے...... آج کوئی
آئے گا، آج عید ہے.......... نہ کوئی کل آئے........... نہ کوئی کل آئے
..........مگر شاید (دروازہ کھول کر باہر دیکھتی ہے) .... اُونہہ لیٹر بکس
تو خالی ہے......... بالکل خالی (آگے بڑھتی ہے) کیا واہیات ہے.........
وہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ بھلا کہیں ایسی بات بھی ہو سکتی ہے۔ ناممکن قطعی ناممکن
(دایہ داخل ہوتی ہے، اُس کے ہاتھ میں ایک پارسل ہے)

دایہ۔ لیجئے بیگم صاحبہ! یہ پارسل حاضر ہے

نوشابہ۔ میز پر رکھدو۔

دایہ - بیگم صاحبہ! اس جوڑے کو درست کرنے کی ضرورت ہی!

نوشابہ - میں تو اس کی دھجیاں بکھیر دوں گی -

دایہ - بیوی! توبہ کرو، توبہ، ذراسی محنت میں درست ہو جائیگا -

نوشابہ - خیر، میں ثریا کو بلاتی ہوں وہ اسے درست کرے گی -

دایہ - بہت خوب -

نوشابہ - اچھا، میرا برقعہ لاؤ، دور ہی کیا ہی - میں ثریا کو خود بلائے لاتی ہوں -

دایہ - نہیں، بیگم صاحبہ! یہ نہ ہوگا ۔ موسم کیسا خراب ہے کیسی سردی پڑ رہی ہی - خدانخواستہ آپ بیمار پڑ جائیں گی -

نوشابہ - اونہہ، چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے ....

شبو! یہ تو بتاؤ کہ بچے کیسے ہیں؟

دایہ - خوب خوش وخرم ہیں، کھلونے کھیل رہے ہیں -

نوشابہ - مجھے تو یاد نہیں کرتے -؟

دآیہ - آپ کو اس قدر یاد کرتے ہیں کہ بیان سے باہر ہی۔ آپ سے

بہت مانوس ہیں۔

نوشابہ - اب میں اُن سے ذرا دور ہی دور رہا کروں گی۔!

دآیہ - بچوں کو ہر چیز کی جلد عادت پڑ جاتی ہی۔

نوشابہ - واقعی! اگر میں بالکل غائب ہو جاؤں تو؟

دآیہ - بیوی! ایسی بُری فال نہ نکالو۔

نوشابہ - شبّو! مجھے حیرت ہی کہ تم نے اپنے بچے غیروں کے سُپرد کر دئے۔

دآیہ - مجبوراً میں نوشابہ کی دایہ بننا چاہتی تھی۔

نوشابہ - پھر بھی، تمھارا جی کیسے مانا؟

دآیہ - بیوی! پیٹ سب کچھ کرا لیتا ہی، نہ میں ایسے نکمے کے سر پڑتی نہ مجھے یہ دن دیکھنا پڑتے پھر بھی خدا کا شکر ہی، تمھارے والدین کے ساتھ میں میری عمر کٹ گئی۔

نوشابہ - کیا تمھاری لڑکی اب بھی تمھیں یاد کرتی ہی؟

دآیہ - ہاں، کبھی کبھی، اُس کا خط آجاتا ہی -

نوشابہ - میری اچھی شبّو! تمھیں مجھ سے سچی محبت ہی ؟

دآیہ - اِس کا حال تو خدا کو معلوم ہی، یا، اللہ بخشے، تمھاری ماں کو معلوم تھا -

نوشابہ - میرے مرنے کے بعد بھی تم اِن بچّوں سے ایسی ہی محبت کرنا ...... میں بھی کیا بے تکی باتیں بک رہی ہوں ...... توبہ ..... توبہ (بکس کھولتی ہے) جاؤ، بچّوں کے پاس جاؤ، کل میں بھی جوڑا پہنوں گی، کیسا اچّھا معلوم ہوگا ! -

دآیہ - بیشک، اللہ نظرِ بد سے بچائے (بائیں جانب کمرہ میں چلی جاتی ہے) -

نوشابہ - (پارسل کھولتی ہی، مگر جلد ہٹا دیتی ہی) میں باہر نکل جاتی ... اور کوئی یہاں نہ آتا ...... اور اس درمیان میں یہاں اور کچھ نہ ہوتا ...... واہیات - سراسر واہیات - کوئی نہ آئے گا - میں اس کا خیال ہی

ہوں کروں .... میں مغلیہ پرُرش کئے ہلتی ہوں .... آو ہو یہ
لیسے خوبصورت دستانے ہیں .... میرے دماغ میں سے نکلی، دور ہو
ب - دو - تین - چار پانچ - چھ (چیخنے لگتی ہی) اُف کوئی آرہا ہے -
دروازہ کی جانب بڑھتی ہی، مگر پھر یک بیک رُک جاتی ہے) -
(ثریّا داخل ہوتی ہی اور برقعہ اُتارنے لگتی ہی)
نوشابہ - اوہو - ثریّا! تم ہو - کوئی اور تو نہیں ہی - کوئی اور؟
ت مہربانی کی -
ثریّا - سُنا ہی کہ آپ مجھے یاد کر رہی تھیں -
نوشابہ - میں تو تمھیں خود لینے جا رہی تھی، آؤ یہاں صوفے پر بیٹھ جاؤ
تو! کل مسٹر وقار احمد کے یہاں ایک پارٹی ہی، مجھے جانا ہوگا - مرزا چاہتے
کہ کل میں یہ جوڑا پہنوں، - مگر یہ تو تار تار ہو رہا ہی!
ثریّا (جوڑے کو دیکھ کر) ایسا خراب تو نہیں ہی - میں ذرا سی دیر میں
سے ٹھیک کر دوں گی، اِدھر اُدھر سے کچھ اُدھڑا اُدھڑا معلوم ہوتا ہے -

لو- ذرا سوئی تاگا منگو لیئے، ابھی درست ہوا جاتا ہی۔

نوشابہ- تمھاری بڑی عنایت ہوگی۔

ثریا- تو کل آپ خورہ زیب تن فرمائیں گی۔ میں کل ایک ذرا دیر کے لئے آکر تمھیں ضرور دیکھوں گی۔

نوشابہ- (کچھ سوچ کر) افسوس! مرزا کو گھر خوبصورت بنانے ذرا بھی سلیقہ نہیں ہے۔

ثریا- میرے خیال میں تو یہ سلیقہ تمھیں بھی نہیں ہی۔ تم ہو بھی اچھے والدین کی بیٹی ہو۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ آیا حکیم صاحب بالعموم ایسے ہی مغموم رہتے ہیں جیسے کہ وہ شام تھے......؟

نوشابہ- ہیں، کل بہت زیادہ تھے، اُن کو ایک خطرناک مرض ہے غریب دق میں گرفتار تھے۔ یہ مرض اُن کے خاندان میں موروثی چلا آ ہی، اس لیے اُن کا لڑکا بھی شروع سے اس مرض میں مبتلا رہا

ثریا۔ (سینا پروتا روک کر) پیاری نوشابہ! تمھیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟

نوشابہ۔ (اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے) اونہہ تمھارے دو بچے ہو جاتے تو تمھیں بھی یہ باتیں معلوم ہو جاتیں ......

ثریا۔ کیا حکیم صاحب یہاں روزانہ آتے ہیں؟

نوشابہ۔ روز، باقاعدہ، وہ ہم لوگوں کے بڑے عزیز دوست ہیں، بالکل گھر کے آدمی ہیں۔

ثریا۔ اچھا، یہ تو بتاؤ کہ وہ کہاں تک مخلص ہیں۔ وہ ایسے تو نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ باتیں بناتے رہیں، دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ اور۔

نوشابہ۔ جی نہیں ...... بھلا تمھیں کیوں شبہ ہوا؟

ثریا۔ کل جس وقت آپ نے میرا تعارف کرایا تو حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ میں نے اکثر آپ کا نام سنا ہے۔ حالانکہ مرزا میرے نام سے بالکل ناواقف نکلے۔

نوشابہ۔ تم سمجھیں ہی نہیں۔ مرزا کا وہ تجاہل عارفانہ تھا۔

ثریّا۔ بہن! آپ اب تک بہت سی باتوں میں بالکل بچّہ ہیں۔ میں تجربہ حاصل کر چکی ہوں، تمھیں دنیا کا ذرا بھی تجربہ نہیں۔ میں تمھیں صلاح دیتی ہوں کہ تم حکیم صاحب کا آنا جانا بند کرا دو۔

نوشابہ۔ (متعجب ہو کر) کیوں؟

ثریّا۔ کل تمنے کہا تھا کہ کوئی تمھارا چاہنے والا تمھیں کچھ روپیہ دے کے مرنے ....

نوشابہ۔ مگر میرا ایسا چاہنے والا تو کوئی اس دنیا میں نہیں ہی........ اچھا، پھر کیا؟

ثریّا۔ حکیم صاحب دولتمند ہیں؟

نوشابہ۔ اچھّے خاصے۔

ثریّا۔ اُن کا کوئی والی وارث نہیں ہی؟

نوشابہ۔ کوئی نہیں۔

ثریا۔ اور یہاں روز آتے ہیں؟

نوشابہ۔ ہاں۔

ثریا۔ مگر ایسے پڑھے لکھے آدمی ایسے نامعقول کیوں بن گئے؟

نوشابہ۔ خدا جانے تم کیا کہہ رہی ہو۔

ثریا۔

نوشابہ۔ اجی ہوش کی دوا کرو ہوش کی تمہیں یہ وہم پیدا ہی کیوں ہوا ہمارے خاص دوست جو ہم سے روز ملنے آتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو .... میں بڑی مصیبت میں آجاتی۔

ثریا۔ تو کیا تم اُن کی مقروض نہیں ہو؟

نوشابہ۔ خدا بچائے۔ توبہ۔ توبہ علاوہ ازیں اُنکو تو بعد میں تم کہ ملا ہی۔

ثریا۔ خیر۔ پیاری نوشابہ یہ تمہاری خوش نصیبی ہی!

نوشابہ۔ نہیں مجھے کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا۔ حالانکہ اگر میں .....

ثریا۔ خیر۔ اچھا ہوا۔

نوشابہ۔ جناب اب تو دوسرے قرضخواہ سے بھی اپنا پیچھا چھڑانے والی ہوں

ثریا۔ میں نے خود تمھیں کل یہ مشورہ دیا تھا۔

نوشابہ۔ (ٹہلنے لگتی ہے) عورتیں ہی ایسے معاملات آسانی سے

سلجھا سکتی ہیں۔

ثریا۔ بیشک۔

نوشابہ۔ (کھڑی ہو جاتی ہے) روپیہ ادا کرنے کے بعد دستاویز واپس

مل جاتی ہے؟۔

ثریا۔ اس میں کیا کلام ہے۔

نوشابہ۔ اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتی ہوں۔ جلا سکتی ہوں۔

نیست و نابود کر سکتی ہوں۔

(ثریا نوشابہ کو غور سے دیکھتی ہے، سینا پرونا بند کر دیتی ہے اور کھڑی

ہو جاتی ہے)۔

ثریا۔ کوئی بات مجھ سے چھپا تو نہیں رہی ہو؟

نوشابہ۔ نہیں۔

ثریا۔ ضرور۔ کل کون بات ایسی ہوئی ہی، بتاؤ تو کیا بات ہی؟

نوشابہ۔ (قریب جاتے ہوئے) ثریا (سنتی ہے) چپ رہو۔ چپ،

وہ دیکھو مرزا آ گئے، لو اب تم ذرا بچوں کے پاس چلی جاؤ، مرزا سینا پرونا

پسند نہیں کرتے۔

ثریا۔ (کپڑے وغیرہ تہ کرتی ہی) جب تک میں صحیح واقعہ نہ سن لونگی

کبھی نہ جاؤں گی۔

(وہ باتیں کرتی دوسرے کمرہ میں چلی جاتی ہی۔ مرزا ہال میں سے آتے ہیں)

نوشابہ۔ (مرزا کے قریب پہنچ کر) مرزا! کہاں تھے؟

نادر مرزا۔ وہ کوئی مغلانی تھی؟

نوشابہ۔ نہیں ثریا تھی۔ وہ میرے جوتے کو درست کر رہی ہی۔

نادر مرزا۔ کل تم خوب بھلی معلوم ہوگی۔

نوشابہ۔ میں نے بھی آپکے حکم کی تعمیل کی۔

نادر مرزا - بڑی شریر ہو۔ کیسی چنچل ہو۔ اچھا میں خلل انداز نہیں ہونا چاہتا۔ شاید تم جوڑہ پہن کر دیکھو۔

نوشابہ - آپ شاید کام کرنا چاہتے ہیں ؟

نادر مرزا - ہاں (کاغذوں کا ایک پلندا دکھاتا ہی) یہ دیکھو میں ابھی بنک سے آ رہا ہوں - (اپنے کمرہ کی جانب چلا جاتا ہی)

نوشابہ - مرزا !

نادر مرزا - ارشاد ؟

نوشابہ - اگر آپ کی کٹو کوئی درخواست بڑی ، بڑی خوبصورتی سے پیش کرے ،

نادر مرزا - فرمائیے ؟

نوشابہ - آپ اُسے قبول کریں گے ؟

نادر مرزا - پہلے مجھے معلوم تو ہو !

نوشابہ - آپ کی کٹو خوب ناچے گی اگر اُس کی درخواست قبول کر لیجئے گا

نادر مرزا - اب ہیر پھیر چھوڑ دو، صاف صاف بتاؤ ؛

نوشابہ - آپکی بلبلِ ہزار داستاں کمرے کمرے چہکتی پھرے گی، اگر......

نادر مرزا - میری بُلبُل تو ویسے ہی یہ کرتی رہتی ہی -

نوشابہ - اچھا، میں پری بن کر چاندنی میں رقص کروں گی -

نادر مرزا - یقیناً تم وہ درخواست نہ کروگی جسکا حوالہ تمنے صبح دیا تھا -

نوشابہ - (مرزا کے قریب جاکر) میں وہی درخواست پیش ....

نادر مرزا - کیا اب بھی تمھیں اس کی ہمت ہی ؛

نوشابہ - آپ کو ایسا ہی کرنا ہوگا جیسا کہ میں کہتی ہوں -

نادر مرزا - پیاری نوشابہ ! میں نے اُس جگہ کو ثریا کیلئے محفوظ رکھا ہی -

نوشابہ - اس عنایت کا شکریہ، مگر آپ کسی اور کلرک کو چلتا کردیں -

نادر مرزا - یہ تمھاری فضول کی ضد ہی، تم نے نادانی میں اُس سے وعدہ کرلیا، اس لئے اب تم ضد کر رہی ہو -

نوشابہ - نہیں یہ بات نہیں ہی، مجھے آپ کا بہت خیال ہی، وہ کمبخت

کیسے نامعقول اخباروں میں مضمون لکھتا رہتا ہی.......... آپ نے خود مجھے یہ بتایا تھا۔ اُس سے مجھے بڑے نقصانات کا اندیشہ ہی.......... اسی لئے میں نہایت خائف ہوں......

نادر مرزا۔ خوب۔ اب میں سمجھا! تمھیں ماضی کا خیال ستا رہا ہی۔

نوشابہ۔ یعنے؟

نادر مرزا۔ تمھیں اپنے والد یاد آگئے۔

نوشابہ۔ بیشک، آپ کو یاد ہی کہ ان بدمعاشوں نے ابا جان کی نسبت اخبارات میں کیا کیا۔ زہر اُگلا تھا۔ غالباً اُن کو دفتر سے برطرف کر دیا جاتا، یہ تو خیر ہوئی کہ اُس کی تحقیقات تمھارے سپرد ہو گئی تھی۔

نادر مرزا۔ پیاری نوشابہ! میرے اور تمھارے والد کے حالات میں بہت بڑا فرق ہی۔ تمھارے والد کا رویّہ آخر وقت مشتبہ رہا۔ میرا رویّہ بے لاگ ہی۔ اور انشاء اللہ آخر دم تک ایسا ہی رہے گا۔

نوشابہ۔ مگر خدا جانے یہ پاجی کیا آفت ڈھائیں، میں چاہتی ہوں کہ اب

اب اِس خوبصورت گھر میں فکر کو آنے بھی نہ دوں ، مجھے تو ڈر لگتا ہی !

نادر مرزا ۔ مگر میں ایسے شخص کو دفتر میں کیسے رکھ سکتا ہوں ؟ کل عملے کو معلوم ہو چکا ہی کہ میں اُسے برطرف کرنے والا ہوں ۔ اب اگر میں اپنی رائے بدلوں گا تو لوگ یہی کہیں گے کہ یہ زن مرید ہی ۔

نوشابہ ۔ اِس میں کیا حرج ہی ؟

نادر مرزا ۔ یقیناً ہی ۔ کیا عملہ کے سامنے اپنی ہوا خیزی کراؤں اور اُن کو یہ باور کراؤں کہ میں بیرونی اثرات قبول کر لیتا ہوں .... اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے بہت جلد اُس کے نتائج بُھگتنا پڑیں گے ۔ علاوہ ازیں ، ایک اور بات ایسی ہی کہ جس کی وجہ سے میں خالد کو نہیں ٹکنے دے سکتا ۔

نوشابہ ۔ وہ کیا ؟

نادر مرزا ۔ میں اس کی اخلاقی کمزوریاں تو شاید بھول بھی جاؤں !

نوشابہ ۔ بیشک ۔

نادر مرزا ۔ مگر بچپن میں تمھیں یاد ہوگا کہ ہم دونوں بڑے گاڑھے دوست

تھے، آخر ایک ہی جگہ پلے بڑھے - دوستی بھی ہوگئی، اس لئے وہ اب
بھی مجھ سے اُسی انداز میں بات چیت کرتا ہے - عملہ کے سامنے میں اُسے
کبھی برداشت نہیں کرسکتا -

نوشابہ - آخر اس میں کیا حرج ہے؟

نادر مرزا - حرج تو بہت کچھ ہے -

نوشابہ - یہ تو تنگ نظری ہوئی؟

نادر مرزا - کیا خوب، مجھے تنگ نظر سمجھتے ہو؟

نوشابہ - نہیں، ہرگز نہیں، اسی لئے تو مجھے تعجب ہوا -

نادر مرزا - خیر، تنگ نظر ہی سہی - .... گویا میری نظر تنگ ہے
اچھا، اب اِس قصہ کو ختم کرو .... (ہال کے دروازہ تک جاتا ہے
اور شبّو کو آواز دیتا ہے) -

نوشابہ - کیا بات ہے؟ -

نادر مرزا - (کاغذوں کو اُلٹ کر) اِس معاملہ کو ختم ہی کئے دیتا

ہوں (شبو داخل ہوتی ہے) دیکھو، جلد یہ خط کسی آدمی کو دو، اُس کی رجسٹری کرا آئے۔ لو! یہ دام ہیں۔

شبو۔ بہت خوب (خط لیکر چلی جاتی ہے)

نادر مرزا۔ (کاغذات کو یکجا کرتے ہوئے) اچھا آؤ بی ضدّن!!

نوشابہ۔ وہ کیا خط تھا؟

نادر مرزا۔ خالد کی برطرفی کا۔

نوشابہ۔ مرزا! اُسے بلا لو۔ اب بھی وقت ہے، میری جان اُسے بلا لو میری خاطر .... اپنی خاطر .... بچوں کی خاطر، سنا؟ اب بھی واپس منگا لو .... تمھیں کیا معلوم کہ اس خط کا کیا نتیجہ ہوگا؟

نادر مرزا۔ اب تو تیر کمان سے نکل گیا۔

نوشابہ۔ ابھی تو نہیں نکلا۔

نادر مرزا۔ نوشابہ میں یہ تمھاری اضطراری حالت معاف کرسکتا گویا یہ میری توہین ہوئی۔ یقیناً توہین ہوئی۔ یہ میری توہین نہیں ہے کہ میں

ایک بھوکے ننگے سے اسقدر خائف ہو جاؤں ؟ پھر بھی میں تمھیں معاف کرتا ہوں کیونکہ اس کی بنا محبت پر ہی (ہاتھ میں ہاتھ لیکر) ڈرو نہیں، اگر موقع آجائیگا تو تم مجھ میں ہمت بھی پاؤگی اور جرات بھی۔

نوشابہ۔ (خائف آواز میں) اِس کا کیا مطلب ؟

نادر مرزا۔ وہی جو الفاظ سے مترشح ہی۔

نوشابہ۔ خدا نہ کرے کہ ایسا موقع آئے۔

نادر مرزا۔ آمین۔ اور اگر آگیا تو ہم ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ ایسے ہی جیسے کہ میاں بیوی ہوتے ہیں (پیار کرتے ہوئے)، اب تو اطمینان ہوا ؟ .... اوہو .... اب تک تمھاری آنکھوں سے خوف و ہراس ٹپک رہا ہی .... یہ تمھارا تخیل ہی۔ لو، اب میں دفتر میں جاکر دروازہ بند کیے لیتا ہوں۔ تم آزادی سے ہو حق کرو۔ (جانے لگتا ہی) ہاں ! حکیم جی اگر آئیں تو میرے کمرہ میں بھیج دینا۔ (پیار کرکے چلا جاتا ہی اور دروازہ بند کرلیتا ہے)۔

نوشابہ۔ (فکر میں غرق اُس جگہ گڑ جاتی ہی اور دبی دبی آواز میں کہتی ہی)
اب وہ ضرور ایسا کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ !...... نہیں ہرگز نہیں.........
یا خدا! مدد......... اب کیا کروں؟ (گھنٹی بجتی ہے) حکیم جی !.........
اب کیا ہو؟......... افسوس! (وہ آنکھوں کو ہاتھ سے ڈھک لیتی ہی
اور سمٹ سمٹا کر دروازہ تک جاتی ہی، دروازہ کھولا جاتا ہی۔ باہر حکیم جی
موجود ہوتے ہیں اذیل کے مکالمہ کیساتھ رات کی تاریکی بڑھتی جاتی ہی)۔
نوشابہ۔ آداب! میں آپ کی گھنٹی پہچانتی ہوں۔ آپ اس وقت مرزا
کے پاس نہ جائیں۔ وہ کسی کام میں مصروف ہیں۔
حکیم جی۔ اور آپ؟
نوشابہ۔ (اندر لا کر دروازہ بند کرتی ہے) میرا وقت تو ہمیشہ آپ کے
لئے وقف ہی۔
حکیم جی۔ شکریہ۔ میں اس عنایت سے فائدہ اٹھاؤں گا۔
نوشابہ۔ یعنے؟

حکیم جی ۔ آپ خائف کیوں ہوتی ہیں ؟

نوشابہ ۔ جی نہیں، کیا کوئی بات ہے ؟

حکیم جی ۔ جی بات وات کیا ہے ۔ مجھے ایک بات کا خطرہ تھا، مگر یہ معلوم تھا کہ وہ اس قدر جلد آجائے گا ۔

نوشابہ ۔ خدا کے لئے فرمائیے ۔ کیا بات ہے ؟!

حکیم جی ۔ (آتش دان کے قریب ہوکر) بس، اب میں ختم ہو چلا! اب کوئی چارہ نہیں ۔

نوشابہ ۔ آپ ختم ہو چلے ؟ ۔

حکیم جی ۔ جی ہاں، میں ۔ اپنے آپ کو دھوکا دینے سے کیا حاصل ۔ میں خود اپنے مریضوں میں سب سے زیادہ بدنصیب ہوں، ابھی ابھی میں اپنے جسمانی حالات کا جائزہ لے رہا تھا .... بالکل دیوالیہ .... غالباً ایک ماہ میں گورستان پہنچ جاؤں گا ۔

نوشابہ ۔ توبہ ۔ توبہ ۔ اس گفتگو سے کیا حاصل ؟

حکیم جی۔ حاصل تو کچھ نہیں ہے۔ اب تو یہ سب برداشت ہی کرنا ہوگا۔ میں اپنا ایک دفعہ اور امتحان لونگا۔ تب میں بتا سکوں گا کہ میری موت کب آئے گی...... ایک بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں.......

مرزا نرم دل ہیں، اس لئے اس کا انتظام کیا جائے کہ وہ میرے بستر مرگ پر نہ آسکیں۔

نوشابہ۔ حکیم صاحب! یہ آج آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ آپ کے نام کا خدا کا خوف کہاں چلا گیا۔

حکیم جی۔ نہیں میں مرزا کو اسوقت اپنے کمرہ میں نہ آنے دونگا....... جس وقت میرا خاتمہ قریب آئے گا تو میں ایک ماتمی تاریک حاشیہ کا کارڈ آپکے پاس بھیجدوں گا۔ آپ سمجھ لیں کہ میری موت آگئی........ بدنما موت .... سرد و سنگین موت

نوشابہ۔ آج تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے........ حالانکہ میں چاہتی تھی کہ آپ معمول سے زیادہ ہنس مکھ ہوتے۔

حکیم جی۔ یہ کیسے ہو؟ موت تو میرے ارد گرد منڈلا رہی ہے......
آج میں دوسروں کے گناہ کا کفارہ دینے کے لئے طلب کیا جا رہا ہوں۔
بھلا یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے........ ہر خاندان میں یہ سسٹم کارفرما نظر آئے گا!۔

نوشابہ۔ (کانوں پر ہات رکھ کر) کوئی مزیدار بات کیجئے۔

حکیم جی۔ یہ بھی مزے دار بات ہے۔ میرے والدِ مرحوم گناہ کریں اور میں اُن کا خمیازہ اُٹھاؤں۔

نوشابہ۔ حکیم صاحب! ہم میں سے آپ عمر بھر کے لئے جُدا ہو جائینگے؟

حکیم جی۔ اِس میں کیا حرج ہے، مُردے کو آدمی بہت جلد بھول جاتے ہیں۔

نوشابہ۔ واقعی؟۔

حکیم جی۔ بیشک، نئی دوستیاں اور محبتیں قائم ہو جاتی ہیں۔

نوشابہ۔ کون؟

حکیم جی۔ میرے مرتے ہی آپ اور مرزا کسی اور سے دوستی کریں گے
.......بلکہ آپنے تو ابتدا کرہی دی ہے۔ یہ ثریّا کون ہیں؟۔

نوشابہ۔ تو کیا آپ کو ثریّا پر رشک آنے لگا ہی؟

حکیم جی۔ بیشک وہی اس گھر میں میری جانشیں ہو گی۔

نوشابہ۔ ذرا ہلکے ہلکے بات چیت کیجئے وہ اس کمرہ میں موجود ہے۔

حکیم جی۔ آج پھر دارد ہی؟ یہ لیجئے۔

نوشابہ۔ وہ بیچاری میرا جوڑہ سینے آئی ہے...... آپ بھی کیسے نتائج
مرتب کرلیتے ہیں۔ (وہ صوفے پر بیٹھ جاتی ہی) حکیم صاحب اب آپ
اچھی اچھی باتیں کیجئے۔ (ایک بکس میں سے چند چیزیں نکالتے ہوئے) حکیم جی!
بیٹھئے، میں آپ کو یہ دکھانا چاہتی ہوں۔

حکیم جی۔ (بیٹھ کر) یہ کیا ہی؟

نوشابہ۔ انھیں دیکھئے!

حکیم جی۔ ریشمی موزہ!

نوشابہ ۔ دیکھئے کیسے خوشرنگ ہیں ؟

حکیم جی ۔ ہونہہ ۔

نوشابہ ۔ کیا یہ اچھے نہیں ہیں ؟

حکیم جی ۔ میں اس کا کیا اندازہ کر سکتا ہوں ۔

نوشابہ ۔ (کبیدہ ہوکر) ہاں ! آپ اِن باتوں کو کیا جانیں ۔

حکیم جی ۔ اور کیا چیزیں ہیں ؟

نوشابہ ۔ آپ کو اب کوئی چیز نہ دکھائی جائے گی ۔ (بکس کی جانب متوجہ ہوکر گنگنانے لگتی ہی) ۔

حکیم جی ۔ (کچھ وقفہ کے بعد) افسوس ! میں اس مکان کو جلد مستقلاً چھوڑنے والا ہوں ۔

نوشابہ ۔ پھر وہی بے تکی ....

حکیم جی ۔ (بات کاٹ کر) ، کوئی ایک بھی ایسا نہ ہوگا کہ جو میرے مرنے پر متاسف نہ ہو ۔

نوشابہ۔ اچھا......... اگر میں آپ سے .... نہیں ...... تھیں۔

حکیم جی۔ کیا طلب کروں؟

نوشابہ۔ دوستی کا ثبوت طلب کروں۔

حکیم جی۔ ہاں! ہاں!

نوشابہ۔ بہت بڑی عنایت۔

حکیم جی۔ شوق سے فرمائیے، مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

نوشابہ۔ آپ اب بھی نہ سمجھے؟

حکیم جی۔ نہیں۔

نوشابہ۔ کیا بتاؤں...... ایک مشورہ، مدد، عنایت۔

حکیم جی۔ شوق سے فرمائیے۔

نوشابہ۔ آپ ہمارے سب سے مخلص دوست ہیں آپ جانتے ہیں کہ مرزا کو مجھ سے کیسی گہری محبت ہے؟

حکیم جی۔ مجھے بخوبی معلوم ہے۔

نوشابہ۔ آپ کوشش کر کے میری ایک مصیبت روک سکتے ہیں؟
حکیم جی۔ میں دل و جان سے حاضر ہوں۔
نوشابہ۔ (گھبرا کر) اچھا اس وقت اس قصہ کو جانے دیجئے۔
حکیم جی۔ (متعجب ہو کر)
نوشابہ۔ نہیں نہیں۔ اب مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہی نہیں۔۔۔۔
یہ تو سب میرا وہم ہی وہم تھا۔۔۔۔۔۔۔ یقیناً وہم ہی وہم (جھولا کرسی پر بیٹھ کر حکیم صاحب کو دیکھتی اور مسکراتی ہے)۔
حکیم جی۔ اب میں ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔
نوشابہ۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ حسب معمول روزانہ آیا کریں، آپ کو معلوم ہے کہ مرزا کو بغیر آپ کے چین نہ آئے گا۔
حکیم جی۔ اور آپ کو؟
نوشابہ۔ میں بھی آپ سے مل کر ہمیشہ مسرور ہوتی ہوں۔
حکیم جی۔ آپ بھی ایک عجیب معمہ ہیں۔

نوشابہ۔ آپ سمجھے نہیں۔ بعض اصحاب ایک فرد سے بیحد محبت کرتے ہیں، اور دوسروں سے عام دوستوں کی طرح ملتے ہیں۔

حکیم جی۔ جی!

نوشابہ۔ میں اپنے میکہ میں ابا جان سے بیحد محبت کرتی تھی، مگر اکثر ماماؤں کے پاس اُن کی مزہ دار باتیں بھی سُننے چلی جاتی تھی

حکیم جی۔ تو گویا اُن ماماؤں کی جگہ مجھے ملی ہے؟۔

نوشابہ۔ (اُچھلکر اور حکیم صاحب کے قریب جا کر) جی نہیں خدانخواستہ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، مگر مجھے اب مرزا سے اُسیقدر شدید محبت ہے جسقدر کہ کنوارپنے میں ابا جان سے تھی۔ (خیرن داخل ہوتی ہے)

خیرن۔ بیگم صاحبہ! (نوشابہ کے کان میں کچھ کہتی ہے اور ایک لفافہ دیتی ہے)۔

نوشابہ۔ (لفافہ پڑھ کر) ارے (لفافہ جیب میں رکھ لیتی ہے)

حکیم جی۔ کیا ہوا؟

نوشابہ۔ کچھ نہیں، یہ میرا نیا جوڑہ ہی۔

حکیم جی۔ ایک جوڑہ تو یہ موجود ہی۔

نوشابہ۔ یہ دوسرا ہی میں نے ابھی منگوایا ہی۔ مرزا کو اسکی خبر نہو۔

حکیم جی۔ اُخّوہ .... تو یہی وہ راز تھا ؟

نوشابہ۔ جی ہاں۔ اب آپ مرزا کے پاس چلے جائیں، اور تھوڑی دیر تک اُن کو باتوں میں لگائے رکھیں۔

حکیم جی۔ آپ اطمینان رکھیں، (مرزا کے کمرہ میں چلا جاتا ہی)

نوشابہ۔ (خیرن سے) وہ باہر باورچی خانہ میں منتظر ہی ؟

خیرن۔ جی۔

نوشابہ۔ تم نے کہا نہیں کہ گھر میں کوئی موجود نہیں ہی۔

خیرن۔ جی۔ میں نے کہا تھا۔ مگر وہ کہیں کھسکتے ہیں ؟

نوشابہ۔ ڈٹے رہے ؟

خیرن۔ وہ کہتے ہیں کہ بغیر آپ سے ملے نہ جاؤں گا۔

نوشابہ - اچھا بلاؤ - مگر نہایت خاموشی سے، اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا - سمجھیں ؟ -

خیرن - بہت خوب (خیرن چلی جاتی ہے) -

نوشابہ - اب وقت آئی ! کوئی چارہ نہیں .... مگر نہیں نہیں یہ آفت کبھی نہ آئے گی (وہ مرزا کے کمرہ کی چٹخنی لگا دیتی ہے - خیرن خالد کے لیے دروازہ کھولتی ہے - اور وہ داخل ہوتا ہے، وہ سیاہ مخمل کی اچکن پہنے ہوئے ہے اور اُسی کپڑے کی ٹوپی ہے) -

نوشابہ - (اُس کے قریب جا کر) آہستہ بات کرنا - مرزا اپنے کمرے میں موجود ہیں -

خالد - کیا مضائقہ ہے -

نوشابہ - اچھا آپ کیا چاہتے ہیں ؟

خالد - تھوڑی سی لسّانی -

نوشابہ - جلدی کیجیے کیا معاملہ ہے ؟

خالد - آپ کو معلوم ہو گا کہ میں برطرف ہو گیا ہوں -

نوشابہ - میری کوشش بے سود رہی - میں آپ کے لئے خوب لڑی مگر

خالد - تو کیا مرزا تم سے اس قدر کم محبت کرتے ہیں ؟ کیا مرزا کو اسکا

علم نہیں ہے کہ آپ کی بیحد رسوائی ہو سکتی ہے ؟

نوشابہ - اس کو اس کا کیسے علم ہو سکتا ہے ؟

خالد - مجھے اس کا خیال نہ تھا مگر میرا پرانا دوست بہت کم ہمت ہے !

نوشابہ - مرزا کی یہ تحقیر میں ہرگز نہیں سن سکتی -

خالد - بہت خوب - معافی چاہتا ہوں .... اب آپ خوب غور کریں

کہ آپ کے فعل کا کیا اثر ہو گا -

نوشابہ - آپ ہی فرمائیں ؟

خالد - میں تو ایک نالائق وکیل ہوں - میں کیا بتا سکتا ہوں -

نوشابہ - اچھا اس وقت آپ کیسے تشریف لائے ؟

خالد - صرف آپ کو دیکھنے - میں دن بھر اسی معاملہ پر غور کرتا رہا ......

آخر میں بھی تو انسان ہوں میں بھی جذبات رکھتا ہوں -

نوشابہ - تو پھر میرا نہیں - میرے بچوں کا تو خیال کرو -

خالد - آپ نے اور آپ کے شوہر نے تو میرا خیال کیا نہیں ....

پھر بھی آپ فکرمند نہ ہوں ، اب اس معاملہ میں کسی پر اتہام نہ رکھا جائیگا -

نوشابہ - مجھے اس کا یقین ہی -

خالد - سارا معاملہ آسانی سے طے ہوا جاتا ہی ، کسی کو کانوں کان خبر

ہو گی - ہم تینوں کے سینوں ہی میں یہ راز مدفون رہے گا -

نوشابہ - مگر مرزا کو اس کا پتہ نہ چلے ؛

خالد - یہ کیسے ہو سکتا ہی ! کیا آپ بقایا ادا کر دینگی ؟

نوشابہ - ابھی تو ادا نہیں کر سکتی -

خالد - کوئی اور صورت ایسی ہی کہ آپ کو کہیں سے روپیہ مل جائے ؟

نوشابہ - کوئی نہیں ! -

خالد - بہرحال میں وہ دستاویز آپ کو نہیں دے سکتا -

نوشابہ۔ آپ اُس کا کیا کریں گے ؟

خالد۔ میں اُسے اپنے پاس محفوظ رکھوں گا...... کیا آپ گھر سے فرار ہو جائیں گی ؟

نوشابہ۔ میرا ضرور یہ ارادہ تھا !۔

خالد۔ یا اُس سے بھی زیادہ ؟

نوشابہ۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا ؟

خالد۔ اس خیال کو جانے دیجئے !۔

نوشابہ۔ آپ کو اس کا کیسے پتہ چلا ؟

خالد۔ نا اُمیدی میں ہمارے خیالات اُسی طرف جاتے ہیں...... میں بھی ایک دفعہ یہ اِرادہ کر چکا تھا مگر میری ہمّت نہ پڑی۔

نوشابہ۔ میری بھی ہمت نے جواب دیدیا۔

خالد۔ علاوہ ازیں ایسا کرنا بڑی نادانی ہوتی...... گھر میں ایک دفعہ طوفان برپا ہونے کے بعد سکون ہو جائے گا...... میری

جیب میں مرزا کے لئے ایک خط ہی

نوشابہ۔ جس میں کل ماجرا بیان کیا گیا ہی؟۔

خالد۔ جس قدر کہ نرمی سے ممکن تھا ....

نوشابہ۔ (جلدی سے) اُس خط کو چاک کر دیجئے۔ مرزا کو نہ ملنے پائے۔ میں کسی نہ کسی طرح روپیہ کا بندوبست کردوں گی۔

خالد۔ مجھے معاف کیجئے میں ابھی آپ سے عرض کر چکا ہوں ....

نوشابہ۔ میں قرض کے علاوہ جتنا روپیہ آپ چاہیں دیدوں گی۔

خالد۔ مجھے ایک پیسہ کی بھی ضرورت نہیں ہی۔

نوشابہ۔ پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

خالد۔ میں پھر اپنے مکان کو مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں مرزا کو میری مدد کرنی چاہئے۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے میں نے کوئی بھی بُرا کام نہ کیا اور برابر تنگدستی کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور قدم بقدم سر سبز ہوتا گیا۔ اب میں برخاست کیا جا رہا ہوں۔ اب مرزا کو چاہئے کہ نہ صرف مجھے واپس لے لیں بلکہ پہلے سی

کوئی بہتر جگہ دیں۔

نوشابہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہی؟

خالد۔ ہو سکتا ہی، مرزا کو کرنا ہوگا، وہ کبھی انحراف نہیں کر سکتی .... ایک سال کے اندر میں بنک میں منیجر کا دست راست ہو جاؤنگا، منیجر کے بجائے میں خود بنک کا انتظام کیا کروں گا۔

نوشابہ۔ خدا نہ کرے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

خالد۔ تو کیا آپ کا مطلب ہی ....؟

نوشابہ۔ اب مجھ میں جرارت آگئی ہے۔

خالد۔ میں خائف نہیں ہو سکتا۔

نوشابہ۔ تمھیں خود اسکا اندازہ ہو جائے گا۔

خالد۔ آپ بھول گئیں کہ آپ کی شہرت میرے ہاتھ میں (نوشابہ دم بخود ہو جاتی ہی) میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہی .... کوئی ناواقی کی حرکت نہ کرنا .... اس عمل پر مجھے آپ کے شوہر نے مجبور کیا .... اچھا

.... رخصت خدا حافظ (ہال سے باہر چلا جاتا ہے)۔

نوشابہ۔ (ہال کے دروازہ تک جاتی ہے، اور کان لگا کر سننے لگتی ہے)۔ وہ چلدیا...... اُس نے لیٹر بکس میں خط نہیں ڈالا۔ .... نہیں...... نہیں...... یہ غیر ممکن ہے (رفتہ رفتہ دروازہ کھولتی ہے) یہ کیا ہے .... وہ تو باہر کھڑا ہوا ہے۔ اُسے اب کیا پس و پیش ہے؟ (ایک خط لیٹر بکس میں گرتا ہے، خالد کے پاؤں کی چاپ سُنائی دیتی ہے اور رفتہ رفتہ غائب ہو جاتی ہے ....

نوشابہ۔ چیخنے لگتی ہے، (اور دوڑ کر صوفے پر گر جاتی ہے)۔

نوشابہ۔ لیٹر بکس (اُٹھ کر پھر دروازہ تک جاتی ہے) وہ ہی خط.....

مرزا! مرزا! .... مایوسی اور سراسر مایوسی!

(ثریا بائیں جانب سے داخل ہوتی ہے، اُس کے ہاتھ میں جوڑا ہے)

ثریا۔ لیجئے، تیار ہو گیا، اب ذرا پہن کر دیکھ لو، ٹھیک ہے؟۔

نوشابہ۔ (دبی آواز سے) ثریا! ذرا ادھر آؤ۔

ثریا۔ (جوڑہ صوفے پر رکھ کر) کیا بات ہی آپ بیحد افسردہ ہیں؟

نوشابہ۔ یہاں آؤ.......... دیکھو وہ خط ہی.......... لیٹر بکس میں،

شیشہ میں سے دیکھو!۔

ثریا۔ ہاں! ہے۔

نوشابہ۔ یہ خالد کا خط ہی!۔

ثریا۔ تم نے خالد سے قرض لیا تھا......؟

نوشابہ۔ ہاں مرزا کو کل حال معلوم ہو جائے گا۔

ثریا۔ اس میں کیا حرج ہی۔ میاں بیوی میں کیا راز و پردہ ہی؟

نوشابہ۔ تمھیں معلوم نہیں میں نے اس میں ایک جعل بنا دیا تھا۔

ثریا۔ خدا کی پناہ!!!۔

نوشابہ۔ میری اچھی ثریا! تم میری گواہ رہنا..........

ثریا۔ گواہ؟ کیوں؟۔

نوشابہ۔ اگر میں پاگل ہو جاؤں!

ثریا۔ نوشابہ!

نوشابہ۔ یا، میں یہاں سے نکل بھاگوں۔

ثریا۔ نوشابہ! تمھاری عقل خبط ہو چلی ہے۔

نوشابہ۔ یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گی .... ایک عجیب غریب واقعہ پیش ....

ثریا۔ کیا عجیب غریب واقعہ؟

نوشابہ۔ نہایت عجیب و غریب .... مگر نہایت خوفناک ..... خدا کرے کہ نہ ہوتا ....

ثریا۔ میں ابھی خالد کے پاس جاتی ہوں۔

نوشابہ۔ نہیں ہرگز نہیں۔

ثریا۔ نہیں وہ میرا کہنا ہرگز نہ ٹالے گا۔

نوشابہ۔ خالد!

ثریا۔ وہ کہاں رہتا ہے؟

نوشابہ۔ مجھے کیا معلوم ...... ہاں (جیب ٹٹول کر) یہ اس کا موجود ہی .... مگر وہ خط ..... وہ خط ..... خدا اُس خط کو غارت کرے۔

نادر مرزا۔ (اپنے کمرہ سے) نوشابہ!

نوشابہ۔ (بدحواس ہوکر) ارشاد؟

نادر مرزا۔ گھبراؤ نہیں ...... کیا تم جوڑہ بدل رہی ہو؟

نوشابہ۔ جی۔

ثریا۔ (کارڈ پڑھ کر) وہ تو یہیں قریب رہتا ہی۔

نوشابہ۔ مگر اس سے کیا فائدہ؟ خط تو لیٹر بکس میں موجود ہی۔

ثریا۔ اُس کی تالی مرزا ہی کے پاس رہتی ہی؟

نوشابہ۔ ہمیشہ۔

ثریا۔ خالد بند خط واپس منگوا سکتا ہی۔

نوشابہ۔ مگر مرزا تو اسی وقت خطوط نکالتے ہیں۔

ثریا۔ تم اُنھیں ذرا باتوں میں لگا لینا .... اب ذرا اُنکے پاس

چلی جاؤ .... میں ابھی واپس آتی ہوں (وہ چلی جاتی ہے)

نوشابہ۔ (مرزا کے کمرہ کے دروازہ تک جاتی ہے، اُسے کھولتی ہے،

اور جھانک کر کہتی ہے) مرزا!

نادر مرزا۔ (اپنے کمرہ سے) ہم آ سکتے ہیں؟ (دروازہ میں رُک کر)

ہیں! یہ کیا ہوا؟

نوشابہ۔ کیا؟

نادر مرزا۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ تم جوڑا بدل رہی ہو۔

حکیم جی۔ بیشک۔

نوشابہ۔ کل بدلا جائے گا۔

نادر مرزا۔ نوشابہ! تم کچھ تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو؟

نوشابہ۔ جی نہیں۔

نادر مرزا۔ جوڑا ٹھیک ہو گیا؟

نوشابہ۔ ٹھیک تو ہو گیا ، مگر اب تمھیں سراسر میرے ہی پاس رہنا ہوگا ایک منٹ کو بھی باہر نہ جانے دوں گی ...... (قلم اٹھانے دو گی)

نادر مرزا۔ اچھا آج کی شام تمھارے صدقہ ، ..... اچھا ... پہلے ذرا (ہال کے دروازہ کی جانب چلا جاتا ہی)

نوشابہ۔ کہاں چلے ؟

نادر مرزا۔ ذرا خط دیکھ لوں۔

نوشابہ۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ نکرنا۔

نادر مرزا۔ ارے ، کیوں ؟

نوشابہ۔ تمہیں اُس میں کوئی خط نہیں ہی۔

نادر مرزا۔ اچھا ذرا مجھے دیکھ لینے دو ، (لیٹر بکس کی طرف جاتا ہی ، نوشابہ ہارمونیم بجانے لگتی ہے ، مرزا دروازہ میں کھڑا ہو جاتا ہے)

نوشابہ۔ میں کل کیسے باجہ بجاؤں گی ؟۔

نادر مرزا۔ کیوں ؟

نوشابہ۔ میں بجانا بالکل بھول گئی، ذرا مشق کرلوں، اس کے بعد کھانا کھائیں گے، مرزا! ذرا بیٹھئے، باجہ سُنئے!۔

نادر مرزا۔ بہت خوشی سے (بیٹھ جاتا ہے)۔

نوشابہ۔ (ایک شال اوڑھ لیتی ہے) لو، اب سُنو!۔

(نوشابہ تقریباً آدھ گھنٹہ تک باجہ بجاتی ہے، اور مختلف تانوں کی مشق کرتی ہے، مرزا اس کی جابجا اصلاح کرتا جاتا ہے، حکیم صاحب اور ثریا بھی باجہ کی آواز سنکر آموجود ہوتے ہیں۔)

نوشابہ۔ مرزا! معلوم ہوا! کہ مجھے کس قدر مشق و اصلاح کی ضرورت ہے؟ اب آپ مجھے خوب مشق کرا دیجئے۔ آج اور کل نہ کوئی خط لکھوائیے اور نہ اُس کا جواب دیجئے۔

نادر مرزا۔ تم اب تک اُس شخص سے خائف ہو؟۔

نوشابہ۔ یقیناً۔

نادر مرزا۔ تمہاری نظروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت لیٹکس میں

خالد کا خط موجود ہے۔

نوشابہ۔ معلوم نہیں، مگر اس وقت آپ اس قسم کے خطوط نہ پڑھیں

(خیرن داخل ہوتی ہے۔)

خیرن۔ بیگم صاحبہ! کھانا حاضر ہے.......

نادر مرزا۔ آج تو شرابِ ناب کا دور چلنا چاہیئے،......... پیاری کنّو

تم گھبراؤ نہیں......... ڈرو مت۔

نوشابہ۔ ثریا! آؤ ذرا میرے بال درست کر دو۔

حکیم جی۔ (دلی آواز میں کمرہ سے نکلتے ہوئے) مرزا، میرے خیال

میں تو کچھ بھی نہیں ہے......... اور نہ نوشابہ خائف ہے۔

نادر مرزا۔ محض اُس کے بچنے کا اندیشہ ہے۔ (دونوں دائیں جانب

کمرے میں داخل ہوتے ہیں)۔

نوشابہ۔ (ثریا سے) شہر سے باہر؟

نادر مرزا۔ جی ہاں۔ کل شام کو واپس آئیں گے، میں ایک خط

چھوڑ آیا ہوں ۔

نوشابہ ۔ اونہہ اس قصّہ کو جانے بھی دو ...... ایک آنیوالے اہم واقعہ کا انتظار بھی دلکش ہوتا ہے ۔

ثریّا ۔ کس کا انتظار ؟

نوشابہ ۔ تم کیا جانو ...... اچھا تم چلو، میں ابھی آتی ہوں ۔

نوشابہ ۔ (ثریّا کھانے کے کمرہ میں جاتی ہے .... نوشابہ ایک منٹ کے لئے خاموش کھڑی ہو جاتی ہے، گھڑی دیکھتی ہے) ۔ شام کے سات بجے ہیں ۔ آدھی رات میں پانچ گھنٹہ اور کل کی آدھی رات کے آنے میں چوبیس گھنٹے اور ...... عید کا جشن ختم ہو جائے گا ...... چوبیس اور پانچ ...... ۲۹ گھنٹے کی اور زندگی باقی ہے ......

نادر مرزا ۔ (مضطرب ہو کر) میری بُلبُل ہزار داستاں کہاں ہے ؟

نوشابہ ۔ حاضر ہوئی ۔

تیسرا ایکٹ

(وہی سین - اسٹیج پر ایک میز ہی جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھی ہیں - میز پر ایک لمپ روشن ہی - ہال کا دروازہ کھلا ہوا ہی - ہارمونیم کی آواز کان میں آرہی ہی - ثریا میز پر بیٹھی ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہی ہی .... وہ کچھ پڑھنا چاہتی ہی مگر خیالات یکجا نہیں کر سکتی - اور گوش بر آواز ہی)-

ثریا - (اپنی گھڑی دیکھ کر) ابھی نہیں ...... وقت تو ختم ہو گیا ...... اگر وہ نہ .... (پھر کچھ سننے کی کوشش کرتی ہی) (ادھر ادھر دیکھتی (ہال میں جاتی ہے) اور دروازہ کھولتی ہی ...... پاؤں کی چاپ سنائی دیتی ہی ...... دبی آواز میں وہ کچھ کہتی ہی) آئیے! اندر آئیے .... یہاں کوئی نہیں ہی -

خالد - (دروازے میں) مجھے تمہارا انتظار ... لیکن پہلا - اس

کیا مطلب ہے؟

ثریّا۔ مجھے آپ سے ایک نہایت ضروری بات کہنی ہو۔

خالد۔ کیا یہ ضرور ہے کہ وہ بات یہیں کی جائے؟

ثریّا۔ جی ہاں، ہم یہاں بالکل اکیلے ہیں، ماما سوچکی ہو، اور گھر والے

اوپر جشن منا رہے ہیں۔

خالد۔ واقعی؟۔

ثریّا۔ اچھا خالد! اب میری بات سنو!

خالد۔ ہم دونوں کیا خاص بات کر سکتے ہیں؟

ثریّا۔ یہی جو میں کہتی ہوں۔

خالد۔ تمہیں یاد ہی؟

ثریّا۔ کیا؟۔

خالد۔ کہ ایک سنگدل عورت نے کیونکر شادی...... روپیہ کی خاطر

ثریّا۔ میں ہرگز سنگدل نہ تھی۔

خالد۔ اگر تم ایسی نہ ہوتیں تو تم مجھے وہ آخری خط نہ لکھتیں جس نے میرا کام تمام کر دیا۔

ثریّا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میری ایک دکھیاری ماں اور دو بیکس بھائی ہیں، میں اُس وقت تمھارا انتظار نہیں کر سکتی تھی، اُس وقت تمھاری کچھ بھی آمدنی نہ تھی.....

خالد۔ پھر بھی سچی محبت مادیت سے بلند ہوتی ہے۔..... تمھیں میرے انجام کا بھی خیال نہ آیا؟

ثریّا۔ بیشک۔

خالد۔ تمھیں ہاتھ سے کھو دینے کے بعد دنیا میرے لیے تاریک ہو گئی تھی........ دیکھو، اب میں تباہ ہو چکا ہوں، میرا سفینۂ حیات غارت ہو گیا...... میں ٹوٹے ہوئے مستول کو پکڑے ہوئے ہوں۔

ثریّا۔ شاید تائیدِ غیبی قریب ہو!

خالد۔ قریب تو ضرور تھی۔ مگر تم میرے راستہ میں حائل ہو گئیں۔

ثریا۔ مجھے کیا علم، مجھے تو آج ہی معلوم ہوا کہ مجھے بنک میں تمہاری جگہ ملنے والی ہے۔

خالد۔ تمہارے کہنے کا مجھے پورا یقین ہے..... اچھا اب تو تمھیں معلوم ہو گیا، اب کوشش نہ کرو۔

ثریا۔ مگر اس سے تمھیں کچھ بھی فائدہ نہ ہو گا۔

خالد۔ فائدہ ہو یا نہ ہو۔

ثریا۔ دنیا کے تلخ تجربوں سے تم نے ابتک فائدہ نہ اُٹھایا!

خالد۔ اب مجھے ایسی دل آویز تقریروں کا اعتبار نہیں۔

ثریا۔ بہت ٹھیک، مگر افعال پر تو اعتبار کرو گے؟

خالد۔ اس کا کیا مطلب؟

ثریا۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ "میرا سفینۂ حیات تباہ ہو گیا"؟

خالد۔ بیشک۔

ثریا۔ بالکل یہی حالت میری ہے، اب کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کو

میں خبر گیری کروں۔

خالد۔ یہ تو خود تمھارا فعل ہے۔

ثریا۔ میں اُس وقت مجبور تھی۔

خالد۔ پھر اب کیا؟

ثریا۔ یہ کیسا ہو کہ دو تباہ شدہ ملّاح اپنی قوتیں یکجا کرلیں۔

خالد۔ آئیں؟

ثریا۔ ایک ایک گیارہ ہوتے ہیں۔

خالد۔ ثریا!

ثریا۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں؟

خالد۔ کیا میری دلنوازی کے لئے؟

ثریا۔ میں بغیر کام کے زندہ نہیں رہ سکتی تھی .... میں نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کام کیا، کسی نہ کسی سنجیدہ مشغلہ میں لگی رہی ہوں۔ اور یہ میرے لئے موجبِ مسرت تھا .... اب میں دنیا میں بالکل تن تنہا ہوں ....

میری زندگی بیکار محض ہو کر رہ گئی ہی .... اپنی ذات کے لئے محنت

کرنے میں ذرا دلچسپی نہیں .... خالد! کوئی بتاؤ کہ جس کے لئے

میں زندہ رہ سکوں، اور کام کرسکوں ۔

خالد ۔ مجھے اس کا یقین نہیں، یہ تمھاری فیاضی کا جذبہ ہی جو بیدار

نہیں کہا جا سکتا ۔

ثریا ۔ تم نے یہ کمزوری مجھ میں کبھی نہ دیکھی ہوگی ۔

خالد ۔ تمھیں معلوم ہی کہ مجھے یہاں کیا کہتے ہیں! ۔

ثریا ۔ تو کیا تمھارے خیال میں میرے ساتھ ہو کر تمھاری کچھ اور

حالت ہوتی! ۔

خالد ۔ یقیناً اس میں ذرا بھی شک نہیں ۔

ثریا ۔ ابھی تو کچھ نہیں گیا ہے!

خالد ۔ ثریا! تم فی نفسہ کھری ہو! یقیناً .... تمھارے چہرے سے

پتہ چلتا ہی .... کیا تم اب بھی یہ ارادہ رکھتی ہو! ۔

ثریا۔ میں کسی کی ماں بننا چاہتی ہوں...... تمہارے بچوں کو ماں کی ضرورت بھی ہی...... ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہی...... خالد! مجھے تمہارے اصلی کیریکٹر پر اعتماد کلی ہی...... میں تمہارے ساتھ ہر کام کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔

خالد۔ (ہاتھ میں ہاتھ لیکر) ثریا! میں تمہارا نہایت شکرگزار ہوں...... اب میں دنیا کے سامنے اپنی بے گناہی کا اعلان کرسکتا ہوں...... آہ، میں بھولا......

ثریا۔ (خاموشی)

خالد۔ تم نے سُنا؛ اب شاید وہ نیچے آتے ہی ہوں۔

ثریا۔ ہاں۔

خالد۔ اچھا تو میں جاتا ہوں...... مگر کیا فائدہ؛ تمہیں معلوم ہی کہ میں نے نوشابہ کے معاملہ میں کیا رویّہ اختیار کیا ہی؛

ثریا۔ ہاں۔ مجھے خوب معلوم ہی۔

خالد۔ اور پھر بھی تم یہ ہمت رکھتی ہو ....؟

ثریا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ناامیدی کی حالت میں کہاں سے کہاں پہونچ گئے۔

خالد۔ کاش! میں خط واپس لے لیتا۔

ثریا۔ تمھارا خط تو لیٹربکس میں پہنچ چکا۔

خالد۔ بے شک۔

ثریا۔ یقیناً۔

خالد۔ تو کیا تم اپنی سہیلی کو ہر قیمت پر بچانا چاہتی ہو؟

ثریا۔ وہ عورت جو ایک مرتبہ اپنے آپ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ چکی، ایسا دوسری دفعہ نہ کرے گی۔

خالد۔ اس میں کیا ہے میں اپنا خط واپس مانگے لیتا ہوں۔

ثریا۔ ہرگز نہیں۔

خالد۔ نہیں۔ ضرور، میں یہاں مرزا کا انتظار کرتا ہوں۔ اس سے

خط واپس لے لوں گا۔

ثریا۔ نہیں خالد۔ تمھیں اپنا خط واپس نہیں لینا چاہیئے۔

خالد۔ یہ تو وہی خط ہی جس کے لئے تم میرے مکان پر گئی تھیں!۔

ثریا۔ بیشک، وہ میرے خوف کی ابتدا تھی۔ مگر اب چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں، میں نے گھر میں کچھ عجیب عجیب باتیں دیکھیں، مرزا کو سب معلوم ہیں اس راز کا افشا ہونا ضروری ہی۔ آپس میں ایک مستقل قرارداد ہو جانا چاہیئے اور جب تک یہ پردہ داری اور جھوٹ موجود ہی اُن کا ہونا ناممکن ہی۔

خالد۔ بہت خوب۔ اب یہ تمھاری ذمہ داری ہی۔ مگر ایک بات ہی۔

ثریا۔ اب تمھیں جلد جانا چاہیئے۔ وہ اب آیا ہی چاہتے ہیں۔

خالد۔ اچھا میں باہر تمھارا انتظار کروں گا۔

ثریا۔ بہت اچھا۔

خالد۔ میری زندگی کے بیش قیمتی لمحات تھے (دروازہ میں سے باہر جاتا ہی۔ دروازہ کھلا رہتا ہی)۔

ثریا۔ (اپنی شال اور دوپٹہ سنبھالتے ہوئے) کتنا بڑا فرق ہوگیا
.... کتنا بڑا فرق۔ .... کسی کے لئے زندہ رہنا اور محنت کرنا
.... ایک گھر جس میں اطمینان و آسایش پیدا کرنا .... لو،
وہ آگئے .... لو، ذرا میں شال اوڑھ لوں (مرزا و نوشابہ کی
آوازیں باہر سے سنائی دیتی ہیں .... دروازہ کھلتا ہے .... اور
مرزا نوشابہ کو زبردستی اندر لاتا ہے .... وہ ایک فیروزی ساڑھی
پہنے ہوئے ہے، مرزا ریونِنگ سوٹ میں ہے)۔

نوشابہ۔ (دروازہ میں جھگڑتی ہوئی) نہیں .... نہیں
مجھے اندر نہ لیجاؤ۔ میں ابھی اوپر ہی جانا چاہتی ہوں .... ایسے
جلدی نیچے نہ آؤں گی۔

نادر مرزا۔ میری پیاری نوشابہ!۔

نوشابہ۔ مرزا! اچھا صرف ایک گھنٹہ اور!۔

نادر مرزا۔ نہیں ایک منٹ بھی نہیں، میری اچھی نوشابہ ابھی تھم

ہوا تھا...... آؤ کمرے میں آؤ...... یہاں سردی لگ جائے گی

(وہ اُسے اندر لاتا ہی)۔

ثریا۔ آداب عرض ہی۔

نوشابہ۔ ثریا۔

نادر مرزا۔ (ثریا کے ساتھ باہر جاتے ہوئے) اچھا خدا حافظ

(وہ باہر چلی جاتی ہی، اور مرزا دروازہ بند کرکے اندر آجاتا ہے)......

اب کہیں جاکے چھٹکارا ملا، بڑی باتیں بناتی ہی!۔

نوشابہ۔ مرزا! تم بہت تھک گئے ہوگے؟

نادر مرزا۔ نہیں ذرا بھی نہیں۔

نوشابہ۔ نہ تمھیں نیند آئی؟۔

نادر مرزا۔ بالکل نہیں...... ہاں، شاید تمھیں نیند آرہی ہی؟

نوشابہ۔ ہاں مجھے تو بہت نیند آرہی ہی، میں سونا چاہتی ہوں۔

نادر مرزا۔ اسی لئے تو میں تمھیں نیچے لے آیا۔

نوشابہ۔ کیا شک ہی ؟ آپ کا ہر کام پر معنی ہوتا ہی۔

نادر مرزا۔ (پیشانی پر بوسہ دے کر) میری بلبل ٹھیک کہتی ہو، تمنے آج حکیم صاحب کی جولانی دیکھی۔

نوشابہ۔ آج بہت ترنگ میں آگئے تھے۔

نادر مرزا۔ میں نے تو مدت سے اُن کو ایسا بشاش نہیں دیکھا تھا (کچھ دیر نوشابہ کو گھور کر، اور پھر اُس کے قریب جاکر) مجھے تو اب تنہائی میں لطف آیا۔ جانِ من! تم کیسی دل کش اور دلربا معلوم ہو رہی ہو۔

نوشابہ۔ مگر خدارا آپ مجھے گھورتے کیوں ہیں؟

نادر مرزا۔ کیوں نہیں اپنے سب سے عزیز گنجینہ کو بھی نہ دیکھوں؟ تم میری ہو اور تمھارا حُسن و جمال میرا ہی۔

نوشابہ۔ (میز کے دوسری جانب جاکر) آج کی رات ایسی باتیں نکرو۔

نادر مرزا۔ پیاری! سنو؛ مہمان تو سب رخصت ہو رہے ہیں، (ویسی آوازیں)، تھوڑی دیر میں ہمارا گھر سنسان ہو جائیگا۔

نوشابہ۔ ہاں۔

نادر مرزا۔ پیاری نوشابہ! تمھیں معلوم ہی کہ میں سب کے سامنے تم سے کیوں الگ تھلگ رہتا ہوں، تم سے اس قدر کم ہمکلام ہوتا ہوں اور دزدیدہ نگاہوں سے تمھیں دیکھتا رہتا ہوں۔ تمھیں معلوم ہی کہ یہ کیوں ہی...... میں یقین کرلیتا ہوں کہ میں تم پر عاشق ہوں، اور تم مجھ سے عنقریب شادی کرنے والی ہو...... یعنی روحانیت کی پھر ابتدا ہوئی ہی اور دل پراز سرِ نو عشق کے چرکے لگ رہے ہیں۔ اور گویا کسی کو اس کا پتہ نہیں کہ ہم دونوں عاشق ومعشوق ہیں۔

نوشابہ۔ بیشک مجھے اس کا یقین ہی۔

نادر مرزا۔ جب میں تنہا ہوتا ہوں، اور مہمان رخصت ہو جاتے ہیں...... جانِ من! ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ہماری ابھی شادی ہوئی ہی، میں تمھارے گول گول حسین شانوں کو اور گردن کو دیکھنے میں محو ہو جاتا ہوں، آج بھی یہی خیالات اور یہی جذبات میرے دل و دماغ میں موجزن

نوشابہ۔ اچھا، اب تو مجھے خدا کے لئے سو جانے دو۔

نادر مرزا۔ ابھی سے ؟ ۔ (باہر کے دروازہ کو کوئی کھٹکھٹاتا ہی)۔

نوشابہ۔ (چونک کر) سُنا ؟

نادر مرزا۔ (ہال کے جانب جا کر) کون ہے ؟

حکیم جی۔ (باہر سے) میں ہوں۔ کیا ایک منٹ کے لئے آسکتا ہوں ؟

نادر مرزا۔ (دبی آواز سے) یہ اس وقت کیسے ؟ (بلند آواز سے) ایک منٹ ٹھیریے۔ (دروازہ کھولتا ہی) آیئے، تشریف لایئے

حکیم جی۔ میں نے باہر سے آپ کی آواز سُنی۔ جی چاہا کہ لاؤ ایک منٹ کو جھانکتا جاؤں (چاروں طرف جلدی سے دیکھ کر) یہ خوب آرام کے کمرے ہیں جن سے مجھے پُرانی محبت ہی۔ آپ دونوں یہاں ماشاءاللہ بڑے آرام سے ہیں۔

نادر مرزا۔ حکیم صاحب ! آج آپ گانے پر بڑے بشاش تھے۔

حکیم جی۔ دن بھر محنت کرنے کے بعد آدمی کو شام کے وقت بشاش ہی ہونا چاہئے۔

نادر مرزا۔ مگر میں نے تو دن بھر محنت نہیں کی۔

حکیم جی۔ ہاں میں نے کی تھی۔

نوشابہ۔ حکیم صاحب! کیا آج آپ نے مجربات و مرکبات کے تجربے کئے؟

حکیم جی۔ خدا کی شان ہے کہ نوشابہ مجربات و مرکبات کا ذکر کرتی ہیں

نوشابہ۔ تو کیا ان مجربات کی کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دوں؟

حکیم جی۔ ضرور۔

نوشابہ۔ تو کیا تجربہ مفید ہوا؟

حکیم جی۔ نہایت، حکیم کے لئے بھی اور مریض کے لئے بھی۔

نوشابہ۔ بالکل کامیاب؟

حکیم جی۔ بالکل کامیاب اور مفید۔ اب بھی کیا میں گانے کے وقت

بشاش نہوتا؟

نوشابہ۔ ضرور۔ بالضرور۔

نادر مرزا۔ میرا بھی یہی خیال ہی، اگر صبح کو اُس کی قیمت نہ ادا کرنا پڑے

حکیم جی۔ مگر دنیا میں آپ کوئی چیز بغیر قیمت ادا کئے نہیں پا سکتے۔

نوشابہ۔ اچھا، اب دوسرے گانے کے موقعہ پر کیا ٹھاٹھ ہونگے؟

نادر مرزا۔ آپ ابھی سے اس فکر میں پڑگئیں۔

حکیم جی۔ اُس وقت تک میں غائب ہو جاؤں گا۔

نادر مرزا۔ بہت خوب۔

حکیم جی۔ آپ نے الوپ انجن دیکھا ہی۔ بس آنکھ میں لگایا اور غائب ہوگئے

نادر مرزا۔ (قہقہہ مار کر) الوپ انجن! بہت خوب،

حکیم جی۔ میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں کیوں آیا تھا، اچھا، ایک عمدہ سگار دو۔

نادر مرزا۔ (سگار دیکر) بڑی خوشی سے۔

حکیم جی۔ (سگار لیکر) شکریہ۔

نوشابہ۔ (دیا سلائی سُلگا کر) لو، سگار سُلگاؤ!

حکیم جی۔ (سگار سلگا کر) شکریہ، لو، خدا حافظ، (کھڑے ہو کر خدا حافظ۔

نادر مرزا۔ آداب ...... خدا حافظ (حکیم صاحب سلام کرکے چلے جاتے ہیں)۔

نادر مرزا۔ آج اُنھوں نے معمول سے زیادہ پی لی تھی۔

نوشابہ۔ (بے پروائی سے) شاید۔ (مرزا جیب میں سے کنجیوں کا گچھا نکالتا ہے)

نوشابہ۔ مرزا! کہاں چلے؟

نادر مرزا۔ ذرا لیٹر بکس خالی کر لوں، بالکل بھر گیا ہے، صبح کو اس میں اخبار نہ آسکیں گے۔

نوشابہ۔ شب میں کام کرو گے؟

با نادر مرزا۔ نہ، بالکل نہیں..... ایں، یہ کیا ہی! کسی نے اس کے
تالے پر زور کیا ہی؟

نوشابہ۔ (گھبرا کر) تالے پر؟

نادر مرزا۔ ہاں کسی نے تالا کھولنا........ اس کا کیا مطلب؟

شبو کبھی ایسا نہ کرتی۔ یہ لو، یہ تو ٹوٹی ہوئی ہیر پن ہی......
دیکھو، یہ تو تمھاری ہیر پن ہے۔

نوشابہ۔ (جلدی سے) بچوں کی حرکت معلوم ہوتی ہی۔

نادر مرزا۔ تمھیں منع کرنا چاہیئے........ یہ لو کھل گیا خطوط وغیرہ
نکالتا ہی) شبو، (زور سے) شبو دروازہ پر لالٹین رکھدو (کمرہ میں الیس
آتا ہی۔ دونوں ہاتوں میں خطوط وغیرہ کے انبار ہیں) دیکھو...... کتنے
خط ہیں (انھیں الٹ پلٹ کر) یہ کیا ماجرا ہی؟۔

نوشابہ۔ (بدحواسی میں) کیا ہوا؟

نادر مرزا۔ یہ سیاہ کناری کے دو خط کیسے؟

نوشابہ۔ اوہو حکیم صاحب کے ہونگے۔

نادر مرزا۔ (اُن کو دیکھ کر) یہ تو سب اوپر تلی تھی حکیم صاحب نے ابھی ڈالے۔

نوشابہ۔ ان میں کچھ لکھا ہے؟

نادر مرزا۔ (کھول کر) صرف نام سیاہی سے لکھا ہوا ہے......کیا موت کا اعلان ہے؟

نوشابہ۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔

نادر مرزا۔ تمہارا بھی یہی خیال ہے؟

نوشابہ۔ مجھ سے وہ کہتے تھے کہ ان خطوں کو ڈالنے کے بعد وہ تارک ہو جائیں گے اور جلد مر جائیں گے۔

نادر مرزا۔ افسوس بڑا مخلص دوست تھا، ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی موت قریب ہے، مگر اتنی جلد!ایک زخمی شیر کی طرح اپنے آپ کو چھپا رہا ہے۔

نوشابہ۔ افسوس!

نادر مرزا۔ (ٹہلتے ہوئے) افسوس، اُن کی ذات ہماری زندگیوں
جز بن گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اب یک لخت علیحدہ ہو گئے اُن کے صدمات اور
ن کی تنہائی ہماری مسرت اور شادمانی میں پیوست ہو چکی تھی۔۔۔۔ خیر خدا اُن کی
ں جہان کی نعمتیں دے (کھڑے ہو کر) خدا ہمیں بھی چین دے۔ نوشابہ!
ہمارا اور مدار ایک دوسرے ہی پر ہے۔ (گلے میں بانہیں ڈال کر)
ری پیاری نوشابہ! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں اپنی پوری گرفت میں
لے سکتا ہوں۔ خدانخواستہ تم پر کوئی مصیبت آئے تو تم دیکھو گی کہ میں
ں طرح سینہ سپر ہوتا ہوں اور کس طرح اپنا خون تمہارے پسینے کے ساتھ
تھ بہاتا ہوں۔

نوشابہ۔ (علیحدہ ہو کر) اچھا اب آپ اپنے خطوط غور سے پڑھئے۔

نادر مرزا۔ نہیں۔ نہیں آج میں تم سے ہی باتیں کرتا رہونگا۔

نوشابہ۔ حکیم صاحب کی وفات کی باتیں؟

نادر مرزا۔ تم ٹھیک کہتی ہو، اُن کی وفات نے ہم دونوں پر پورا اثر کیا ہی۔ ہماری پاکیزہ گفتگو میں موت کا کریہ منظر موجود ہی.... اس تخیل کو دور کردو، لو، تھوڑی دیر کے لئے ہم دونوں اپنے اپنے کمروں سے جاتے ہیں۔

نوشابہ۔ (گردن جھکا کر) مرزا! آداب خدا حافظ!!

نادر مرزا۔ (پیشانی پر بوسہ دے کر) میری بلبل! خدا حافظ!! سو، اب تم آرام سے سو جاؤ، میں ذرا یہ خط پڑھ لوں، (وہ خطوط لیکر اپنے کمرہ میں چلا جاتا ہی، اور اپنا دروازہ بند کرلیتا ہی)

نوشابہ۔ (اِدھر اُدھر بدحواس پھرتی ہی، مرزا کا مفلر اُٹھا لیتی ہی، اُس کو چومتی ہی اور آنکھوں سے لگاتی ہی........ اِدھر اُدھر وحشت خیز نگاہیں ڈالتی ہی، اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہتی ہی)........ اب کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔ کبھی نہیں، کبھی نہیں، (اپنی شال اوڑھ کر) اُفوہ سرد و تاریک ہیبت ناک موت........ موت کی تھاہ، گہرائی........ اب وہ اُسکی

ہاتھ میں ہے .... وہ اُسے پڑھ رہا ہے، مرزا! نشے!! !! خدا

حافظ (دروازہ سے جھپٹ کر نکلنا ہی چاہتی ہے کہ مرزا دروازہ کھول کر داخل ہوتا ہے ایک کُھلا ہوا خط اُس کے ہاتھ میں ہے)۔

نادر مرزا۔ نوشابہ؟

نوشابہ۔ جی!

نادر مرزا۔ تمھیں یہ معلوم ہے کہ اس خط میں کیا درج ہے!

نوشابہ۔ مجھے خوب معلوم ہے آپ سب مجھے جانے دیجئے۔

نادر مرزا۔ (اُسے روک کر) آپ کہاں جاتی ہیں؟

نوشابہ۔ (ہاتھ چھڑا کر) مرزا! اب تم مجھے نہیں روک سکتے۔

نادر مرزا۔ (بدحواس ہو کر) یہ صحیح ہے، یہ جو اس میں لکھا ہے، ہرگز نہیں، کبھی نہیں ہو سکتا۔

نوشابہ۔ نہیں، بالکل صحیح ہے، میں نے تم سے محبت نہیں کی بلکہ عشق تھا۔

نادر مرزا۔ باتیں نہ بتاؤ۔

نوشابہ۔ (ایک قدم آگے بڑھ کر) مرزا!۔

نادر مرزا۔ (غصہ میں) کمبخت! بدنصیب!! یہ تونے کیا کیا؟

نوشابہ۔ مجھے جانے دو، آخر تم میری وجہ سے ناحق تکلیف کیوں اُٹھاتے ہو؟

نادر مرزا۔ (دروازہ بند کرکے) تمہیں یہاں ٹھیر کر جواب دینا ہوگا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟ جواب دو، بتاؤ؟

نوشابہ۔ (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہے اور سرد مہری سے جواب دیتی ہے) ہاں! اب میں خوب سمجھتی ہوں۔

نادر مرزا۔ (کمرے میں ٹہلتے ہوئے) ...... تو ذرا کی اہلیت! ہولناک بیدردی!! آٹھ سال گزر گئے ...... وہ میری مسرتوں [illegible] کا باعث تھی ...... جھوٹی، مکار، مجرم، گنہگار ...... شرم ...... شرم (نوشابہ خاموش ہے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مرزا کو دیکھ رہی ہے

ہی...... وہ اُس کے قریب آ کر رُک جاتا ہی، مجھے ایسے کا

پیشتر سے شبہہ کرنا چاہئیے تھا، مجھے پیشتر ہی اس کا خیال ہونا چاہیے تھا......

تمھارے والد کس قدر بے اصول آدمی تھے نہ مذہب نہ اخلاق، نہ فرض

شناسی، جس کی پاداش میری قسمت میں ہی...... خوب پھل ملا۔

نوشابہ۔ بیشک۔

نادر مرزا۔ اب تم میری ساری مسرتیں برباد کر چکیں، میرا مستقبل تباہ

کر چکیں، اس کا تخیل بھی کیسا بھیانک ہی۔ اب میں ایک بداخلاق شخص کے

پھندے میں گرفتار ہوں۔ وہ جو چاہے مجھ سے کام لے۔ جو چاہے حکم دے

مجھے سرتابی کی مجال نہیں...... ایک ناعاقبت اندیش عورت نے مجھے اس

غار میں ڈھکیل دیا۔

نوشابہ۔ میں آپکے راستہ سے ہٹی جاتی ہوں آپ آزاد ہو جائینگے

نادر مرزا۔ اب دلکش تقریروں کا وقت جاتا رہا۔ جو تمھارے والد

ہمیشہ کثرت سے کیا کرتے تھے، مجھے کیا فائدہ ہوگا تم چاہے راستہ میں

حائل ہو یا نہ ہو .... ذرا بھی فائدہ نہ ہوگا .... وہ اب ہر جگہ اسکا
اعلان کرے گا، اور میری ذات بھی اس جرم میں ملوث سمجھی جائیگی ......
لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں بھی اس میں شریک ہوں - اس عنایت بے غایت
کا نہایت شکر گزار ہوں .... نوشابہ! یہ ثمرہ شاید اُس محبت کا ہے
جس کی برقی رو آٹھ سال سے میرے ریشہ ریشہ میں جاری تھی ......
تم سمجھیں کہ تمنے کیا کیا؟

نوشابہ۔ (سرد مہری سے) جی!

نادر مرزا۔ یہ واقعہ ایسا ناقابل یقین ہی کہ میں اُسے ابتک باور نہیں
کر سکا .... خیر .... اب تو کوئی نہ کوئی مفاہمت کی جائیگی ......
ذرا شال اُتار لو، جلد اُتار لو، اس معاملہ کو تو کسی نہ کسی قیمت پر ختم ہی کر دینا
ہوگا ...... آیندہ ہم دونوں ایسے ہی رہیں گے جیسے کہ کوئی بات ہی
نہیں ہوئی ہی ...... تم کو اب بھی میں اس گھر میں رکھونگا ...... مگر بچے
تم سے بالکل علیحدہ رہیں گے، میں اُن کو تمھارے سپرد نہیں کر سکتا۔ اُن کو

تمھاری صحبت سے دور ہی رکھنا مناسب ہے...... افسوس صد افسوس!
میں یہ باتیں اس سے کہہ رہا ہوں کہ جس سے میں نے اس قدر شدت سے محبت
کی، اور جس سے میں اب بھی، ...... نہیں - یہ بات نہیں ہے......
آج خوشی کی قربانی ہو گئی...... اب باقیات الصالحات کی حفاظت
کرنا ہے...... اب محض ظاہرداری کا رکھ رکھاؤ ہے (گھنٹی کی آواز
سنائی دیتی ہے)۔

نادر مرزا۔ (چونک کر) یہ کیا ہ! اسقدر رات گئے!...... کیا
وہی ہے...... نوشابہ! چھپ جاؤ۔

(نوشابہ دم بخود کھڑی رہتی ہے۔ مرزا دروازہ کھولتا ہے)۔

ماما۔ (دروازہ پر آکر) بیگم صاحبہ کا خط ہے۔

نادر مرزا۔ اِدھر لاؤ (خط لیکر دروازہ بند کرلیتا ہے)۔ بیشک
اُسی کا خط ہے...... تمھیں نہ دوں گا میں خود پڑھوں گا۔

نوشابہ۔ پڑھیے۔

نادر مرزا۔ (لمپ کے قریب جاکر) مجھے ہمت نہیں ہوتی ہے، کیا تعجب کہ ہماری تباہی کا ہی پیغام ہو، پھر بھی پڑھنا چاہیئے (لفافہ کو چاک کر دیتا ہی، دو تین سطریں پڑھتا ہی، اور بے اختیار قہقہہ مارنے لگتا ہی) نوشابہ! (وہ اُس کی جانب نگاہیں اُٹھاتی ہے) نوشابہ!! ایک دفعہ اور پڑھوں گا .... ہاں ٹھیک ہی!! خدا کا شکر ہی۔ نجات حاصل ہوئی!!!

نوشابہ۔ نجات؟ ـ

نادر مرزا۔ یقیناً، ہم دونوں کو نجات حاصل ہوگئی، دیکھو یہ دستاویز واپس آگئی، اُس نے لکھا ہی کہ مجھے ندامت بھی ہی اور افسوس بھی .... خیر اس کی ندامت کا کیا ہی .... نوشابہ، لو، مبارک ہو، صاف بچ گئے، صاف، اچھا، اب پہلے میں اس ناپاک چیز کو پھاڑ ڈالوں ۔ (دستاویز پر ایک نگاہ ڈال کر) نہیں۔ مگر ہرگز اُسے نہ دیکھونگا .... عمر بھر ایک خوفناک خواب سناتا رہے گا (دستاویز اور دونوں خطوں کو چاک کر کے آگ میں ڈالدیتا ہی، وہ جلنے لگتے ہیں) .... لو، نوشابہ!

یہ کل ماجرا ختم ہوگیا........ !

نوشابہ ۔ میں نے یہ تین دن بڑی مصیبت میں کاٹے ہیں۔

نادر مرزا ۔ بہت کوفت برداشت کی ہوگی........ کوئی رہائی کی صورت نہ ملی ہوگی........ خیر اب ہم اِن واقعات کو بھلا دیں گے...... اب خوشی کے نعرے اور قہقہے لگاؤ، بس ختم ہوگیا۔ ختم ہوگیا، نوشابہ ! سنو، کیا تمھیں یہ یقین نہیں کہ معاملہ ختم ہوگیا........ کیا بات ہے........ ایسا اُترا ہوا اور سرد چہرہ ! اب میں سمجھا، کیا تمھیں اِس کا یقین نہیں کہ میں نے تمھیں معاف کر دیا........ کہو تو میں قسم کھالوں، میں نے بالکل معاف کر دیا........ مجھے اس کا یقین ہے کہ تم نے یہ سب کچھ ازراہِ محبت کیا۔

نوشابہ ۔ بیشک ۔

نادر مرزا ۔ تم مجھ سے اسی طرح محبت کرتی ہو جس طرح بیوی کو شوہر سے محبت کرنا چاہیئے، مگر تمھیں ذرائع کے امتیاز کرنے کا سلیقہ نہیں تھا........ پھر بھی تم مجھے ویسی ہی پیاری ہو، ویسی ہی عزیز ہو ! آئندہ میں

تمھاری راہ نمائی کرتا رہوں گا، اس نسوانی کمزوری نے تمھیں میری نگاہ میں عزیز تر بنا دیا ہی .... اپنی پریشانی کے آخری لمحات میں جو کچھ لفظ میں کہے اس کا خیال نہ کرو، میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تمھیں بالکل معاف کر دیا ....

نوشابہ۔ شکریہ۔ اسی معافی کا شکریہ (دروازہ میں ہو کر دائیں جانب جاتی ہے)۔

نادر مرزا۔ کہاں چلدیں؟

نوشابہ۔ ذرا کپڑے بدل لوں۔

نادر مرزا۔ (دروازہ پہ کھڑے ہو کر) اچھا۔ بدل ڈالو .... بے چینی دور کرو، ڈرو نہیں، پیاری قمری، چہکو، گاؤ .... بالکل قطعی اطمینان رکھو۔ میرے بازو بڑے ہیں، میں تمھیں بخوبی پناہ دے سکتا ہوں .... ہمارا مکان کیسا خوبصورت اور پُر امن ہی ...... یہی تمھاری پناہ کی جگہ ہی .... تم ایک مجروح فاختہ ہو جسے میں نے باز کے پنجۂ ظلم سے بچالیا

میں تمھارے زخموں پر مرہم رکھوں گا .... کل صبح فضا بالکل بدل جائیگی
تمھیں یہ بھی یاد کرنا نہ پڑے گا کہ میں معاف کرچکا ہوں ..... نوشابہ! تمھیں
معلوم ہے کہ ایک سچے آدمی کا دل کیسا پاک وصاف ہوتا ہے ...... معاف
کرنے کے بعد، بیوی کو معاف کرنے کے بعد ایک عجیب سرور حاصل ہوتا ہے
...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بالکل اپنا کرلیا۔ گویا اُسے نئی زندگی دیدی
اب پیاری نوشابہ! آیندہ تم میری ہی ہو، بالکل میری، اور میں تمھارا
ویسا ہی چاہنے والا ہوں، جیسا کہ پہلے تھا۔ پس آیندہ صاف گوئی کو ملحوظ
رکھو۔ میں تمھارا ارادہ اور تمھارا ضمیر بن جاؤں گا .... ارے یہ کیا؟
شب خوابی کے کپڑے نہیں بدلے؟

نوشابہ۔ (معمولی روزمرہ کے کپڑوں میں) میں نے بھی کپڑے
پہن لئے۔

نادر مرزا۔ کیوں؟ اس قدر رات گئے!

نوشابہ۔ میں آج نہ سوؤں گی۔

نادر مرزا۔ پیاری نوشابہ!

نوشابہ۔ (اپنی گھڑی دیکھ کر) ابھی اتنی رات نہیں گئی ہے، مرزا!

ذرا بیٹھ جاؤ، آج تو مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں (وہ بیٹھ جاتی ہے)۔

نادر مرزا۔ تمھارے چہرہ پر اس قدر اُداسی کیوں ہے؟

نوشابہ۔ ذرا بیٹھ جاؤ مجھے گفتگو ختم کرنے میں دیر ہو جائے گی۔

نادر مرزا۔ (بیٹھ کر) تمھارے چہرہ سے وحشت ٹپک رہی ہے۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا!

نوشابہ۔ ٹھیک ہے۔ نہ تم نے مجھے سمجھا، اور نہ میں آج سے قبل تمھیں

سمجھ سکی، ...... ذرا غور سے سُنتے جاؤ، آج حساب صاف ہوتا ہے۔

نادر مرزا۔ اس کا کیا مطلب؟

نوشابہ۔ (کچھ وقفہ کے بعد) آج تمھیں کوئی بات عجیب

معلوم ہوئی؟

نادر مرزا۔ وہ کیا؟

نوشابہ - گو شادی کو آٹھ برس ہو گئے، مگر آج وہ پہلی سنجیدہ گفتگو ہی جو ہم میں اور تم میں ہو رہی ہی -

نادر مرزا - سنجیدہ ؟

نوشابہ - شادی کے بعد یہ پہلا موقعہ ہی - پہلا، اس سے پہلے کوئی سنجیدہ بات کبھی نہیں ہوئی -

نادر مرزا - تو کیا روز صبح و شام اُن تفکرات و تردادات کا ذکر کرتا رہتا جو تمھیں مجھ سے زیادہ پریشان کر دیتے -

نوشابہ - کاروباری معاملات سے مجھے کیا علاقہ، مگر ہم نے آجتک کسی بات کے تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی -

نادر مرزا - پیاری نوشابہ اس سے کیا ہوتا ؟

نوشابہ - یہی تو بات ہی تم نے آج تک مجھے نہ سمجھا، میرے ویسے بڑا ظلم ہوا، پہلے ابّا جان نے کیا، پھر تم نے کیا -

نادر مرزا - مگر میں نے تو تم سے زیادہ دنیا میں کسی سے محبت نہ کی -

نوشابہ۔ (تم نے مجھ سے کبھی محبت نہ کی) تم نے محض محبت کے خیال سے سرور حاصل کیا۔

نادر مرزا۔ نوشابہ! میں کیا سن رہا ہوں؟

نوشابہ۔ میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں، گھر میں ابا جان کے خیالات کی پیروی کی، کسی بات میں اختلاف نہ کیا، وہ ناراض ہو جاتے، میں ہمیشہ ڈرتی رہی، وہ مجھے ہمیشہ گڑیا کہا کرتے تھے اور مجھ سے کھیلتے رہتے تھے، اب میں تمہارے گھر میں پڑی ہوں۔

نادر مرزا۔ شادی کے متعلق کیا الفاظ کہہ رہی ہو؟

نوشابہ۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، ہماری شادی کیا تھی انتقال مکانی تھا، آپنے ہر بات کا بندوبست اپنے خیال و مذاق کے بموجب کیا، میں بھی اُن کی پیروی کرتی رہی، میرے خیالات یا تو بدل گئے، یا میں بہانہ کرتی رہی، خدا جانے کیا ہوا، میں صبح و شام تمہارے سامنے کرتب کرتی تھی، تم خوش ہوتے تھے تم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا، مجھے غارت کر دیا۔

نادر مرزا۔ تم کیسی بدعقل وناشکر گزار ہو، کیا تم یہاں خوش نہیں رہیں؟

نوشابہ۔ کبھی نہیں، میں اس غلط فہمی میں تھی کہ میں خوش ہوں مگر یہ واقعہ نہ تھا۔

نادر مرزا۔ خوش نہیں؟

نوشابہ۔ خوش نہیں بلکہ مسرور رہی، تم نے ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا۔ مگر ہمارا گھر بچوں کا گھروندا ہے۔ میں تمہاری گڑیا ہوں......... تمہارا کھلونا ہوں......... یہ بچے میرے کھلونے ہیں، تم میرے ساتھ کھیلتے تھے، مجھے لطف آتا تھا، میں اُن بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی ہوں ان کو بھی لطف آتا ہے۔ یہی ہماری شادی کا لب لباب ہے۔

نادر مرزا۔ (کچھ سوچ کر) سچ کہتی ہو، تمہارا خیال ایک حد تک درست ہے......... گو تم مبالغہ کر رہی ہو، آیندہ کے لئے ہم اپنا طرزِ عمل بدل دیں گے، کھیل کا وقت ختم ہو گیا، اب سبق پڑھنا ہو گا۔

نوشابہ۔ کسے ؛ مجھے یا بچوں کو ؟

نادر مرزا۔ پیاری نوشابہ ! تمھیں بھی اور بچوں کو بھی ۔

نوشابہ۔ مرزا تم مجھے صحیح تعلیم نہیں دے سکتے ۔

نادر مرزا۔ یہ کیسے کہتی ہو ؟

نوشابہ۔ اور نہ میں بچوں کو پال سکتی ہوں ۔

نادر مرزا۔ کیوں ؟

نوشابہ۔ بھول گئے ، ابھی تم نے کیا کہا تھا ؟

نادر مرزا۔ غصّہ میں ۔ اس کا خیال نہ کرو ۔

نوشابہ۔ نہیں تم نے بالکل ٹھیک کہا ۔ میں اُس کام کے قابل نہیں ہوں ۔ اس سے قبل مجھے ایک اور کام کرنا ہے ، مجھے پہلے کوشش کر کے اپنی تعلیم پوری کر لینا چاہیئے ...... اگر تم اِس معاملہ میں مجھے مدد نہیں دے سکتے تو یہ کام مجھے خود ہی کرنا ہو گا ۔ اسی لئے میں اس جگہ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں ۔

نادر مرزا۔ (چونک کر) ایں ۔ کیا معنی ؟

نوشابہ۔ اگر میں اپنی ذات کو اور دنیا کو سمجھانا چاہوں تو مجھے سب سے علیحدہ رہنا چاہئے، اسی لئے میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

emancipation of women

نادر مرزا۔ نوشابہ! نوشابہ!!

نوشابہ۔ میں بس اب جاتی ہوں۔ ابھی ابھی، ثریا مجھے پناہ دیدے گی۔

نادر مرزا۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔ میں اس کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔

نوشابہ۔ تمھارا منع کرنا بیکار ہے .... میں صرف وہی لے جاؤں گی جو میری ملکیت ہے، کل سے میں کوئی کام شروع کر دوں گی۔

نادر مرزا۔ تم بڑی احمق ہو۔

نوشابہ۔ اب مجھے ذرا عقل سیکھنا چاہئے۔

نادر مرزا۔ گھر کو، شوہر کو، بچوں کو چھوڑنا بھی عقل ہے؟ لوگ تمھیں کیا کہیں گے؟

نوشابہ۔ اُونہہ، لوگوں کا کیا ہے؟۔

نادر مرزا۔ تم اپنے فرائض کو اس طرح پامال کرتی ہو؟۔

نوشابہ۔ میرے فرائض کیا ہیں؟

نادر مرزا۔ میں بتاؤں؟ شوہر اور بچوں کے متعلق تمھارے کیا فرائض ہیں؟

نوشابہ۔ میرے اور بھی تو فرائض ہیں۔

نادر مرزا۔ کیا؟

نوشابہ۔ وہ فرائض جن کا تعلق مجھ سے ہے۔

نادر مرزا۔ لیکن سب سے پہلے ایک بیوی اور ماں ہو۔

نوشابہ۔ جی نہیں، اب مجھے اس کا یقین نہیں، سب سے پہلے مجھے ایک باخبر اور معقول عورت ہونا چاہئے۔ مجھے اس کا بھی علم ہے کہ لوگ

مجھے دیوانہ کہیں گے، اور تمھاری تائید کریں گے، کیونکہ کتابوں میں بالعموم اسی طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں، لیکن اب مجھے دوسروں کی رائے سے کچھ سروکار نہیں، نہ مجھے کتابوں سے کوئی مطلب۔ اب مجھے خود غور و فکر کرنا چاہیے۔ مجھے خود استدلال کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔

نادر مرزا۔ اس گھر میں تمھیں اپنی پوزیشن کا اندازہ ہے۔

نوشابہ۔ افسوس ہے کہ میں مذہب سے بہت کم واقف ہوں۔

نادر مرزا۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟

نوشابہ۔ میں نے مولویوں کے وعظ سنے، مگر میں مطلب نہ سمجھ سکی وہ کہتے ہیں کہ مذہب اُسے کہتے ہیں۔ اُسے کہتے ہیں .... اب میں دنیا سے علیحدہ ہو کر غور کروں گی کہ آیا جو وہ کہتے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔

نادر مرزا۔ یہ عجیب بات ہے۔ اچھا! تمھارا ضمیر کیا کہتا ہے؟ لاؤ میں تمھارے ضمیر کو بیدار کر دوں۔ یا یہ کہو کہ تمھارا ضمیر مردہ ہو چکا؟

نوشابہ۔ مرزا! میں قسم کھاتی ہوں کہ میں اس کا ٹھیک جواب
نہیں دے سکتی، مجھے خود اس کی خبر نہیں۔ میں خود کشمکش و پیچ میں پڑی
ہوئی ہوں، مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ ہمارا تمھارا زاویہ نگاہ مختلف ہے
اب مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ قانون کچھ اور شے ہے، گو میں یہ نہیں مان سکتی
کہ یہ مروّجہ قوانین صحیح ہیں، اُن کی رو سے لڑکی کو مرتے ہوئے والد
کی کوئی مدد نہیں کرنا چاہیے، اور نہ اپنے خاوند کی جان بچانا چاہیے، میں تو
اُسے ہرگز باور نہ کروں گی۔

نادر مرزا۔ تم تو بچوں کی سی باتیں کر رہی ہو تمھیں یہی نہیں معلوم
کہ نظام عالم کیسے چل رہا ہے؟۔

نوشابہ۔ واقعی مجھے نہیں معلوم، اب یہی تو معلوم کرنے کی کوشش
کروں گی، اور یہ بھی اندازہ لگاؤں گی کہ میں راستی پر ہوں، یا دنیا!۔

نادر مرزا۔ نوشابہ! تم سڑن ہو گئی ہو۔ باتوں میں بہک جاتی ہو

نوشابہ۔ آج سے زیادہ کبھی میرا دماغ صاف نہیں ہوا۔

نادر مرزا۔ یہ دماغ کی صفائی ہے کہ تم اپنے بچوں کو اور اپنے شوہر کو

فراموش کر رہی ہو؟

نوشابہ۔ بیشک۔

نادر مرزا۔ تو پھر اس کی ایک ہی وجہ معلوم ہوئی ہے۔

نوشابہ۔ وہ کیا؟

نادر مرزا۔ کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں۔

نوشابہ۔ درست ہے۔

نادر مرزا۔ یہ تم نے کیا کہا؟

نوشابہ۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، مگر کیا کروں سچ کہہ رہی ہوں

تم نے واقعی میرے اوپر بڑی مہربانی کی۔

نادر مرزا۔ تو کیا یہ امر واقعہ ہے؟

نوشابہ۔ بالکل صاف اور روشن۔ اسی لئے تو میں اب یہاں

نہیں رہ سکتی۔

نادر مرزا۔ تو میری محبت کیوں برباد کی جارہی ہے؟۔

نوشابہ۔ آج میں سمجھی کہ تم وہ نہیں ہو جو میں تمھیں سمجھتی تھی۔

نادر مرزا۔ ذرا اسے واضح کرو۔

نوشابہ۔ میں نے پورے آٹھ سال انتظار کیا۔ کیونکہ عجیب باتیں روز واقع نہیں ہوتیں، مگر یہ بدنصیبی یکایک میرے سر پر آپڑی، اب میں سمجھی کہ وہ عجیب بات اب وقوع پذیر ہونے والی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ تم خالد کے شرائط ہرگز قبول نہ کروگے، اور کہدوگے کہ جاؤ، اگر جی چاہے، اُسے مشتہر کردو۔

نادر مرزا۔ گویا میں اپنی بیوی کی ناعاقبت اندیشی کا اعلان کر دیتا؟۔

نوشابہ۔ مجھے یقین تھا کہ اعلان ہو جانے کے بعد تم اپنے سر اوڑھ لوگے اور کہدوگے کہ میں ہی مجرم ہوں۔

نادر مرزا۔ نوشابہ!

نوشابہ۔ کیا میں تمھاری یہ قربانی قبول کرلیتی، ہرگز نہ کرتی، ایسے عجیب حادثہ کے روکنے کے لئے اپنے آپ کو ہلاک کرلینا چاہتی تھی۔

نادر مرزا۔ میں خوشی سے تمھارے خاطر دن رات محنت کرتا رہونگا اور رنج و الم اور افلاس و تنگدستی سہتا رہوں گا۔ مگر کوئی شخص اپنے محبوب کے لئے اپنی عزت نہیں کھو سکتا۔

نوشابہ۔ مگر ہزاروں، لاکھوں عورتوں نے یہ کر دکھایا ہی۔

نادر مرزا۔ تم بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔

نوشابہ۔ ممکن ہی، مگر تم بھی ایک مرد کی طرح یہ خیال کرتے ہو، نہ بات کرتے ہو۔ تمھارے خوف کے زائل ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ پہلے کی طرح میں پھر تمھاری "قمری" تمھاری "بلبل" تمھاری "پیاری نوشابہ" تمھاری "گڑیا" بن گئی (کھڑے ہو کر) مرزا! اب میں سمجھی کہ یہ آٹھ سال میں نے ایک اجنبی کے گزارے ...... تین بچے بھی ہو گئے ...... افسوس! کاش میں اپنے آپ کو ٹکڑے

ٹکڑے کر ڈالوں

نادر مرزا۔ (افسردگی سے) بیشک ہمارے تمہارے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے ...... بیشک .... مگر کیا اس کو پاٹ دینا ممکن نہیں ؟۔

نوشابہ۔ موجودہ حالت میں ناممکن ہے ...... میں تمھاری بیوی ہی نہیں ہوں۔

نادر مرزا۔ مگر میں تو اپنے آپ کو بخوبی بدل سکتا ہوں۔

نوشابہ۔ ممکن ہو ...... پہلے تمھاری گڑیا تم سے لے لی جائے تو شاید ہو جائے۔

نادر مرزا۔ تم سے۔ تم سے جدائی ! اُف ! ! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

نوشابہ۔ اسی لئے تو اور زیادہ ضروری ہے (داہنی طرف جاتی ہی ، اپنی شال، اور بیگ لے آتی ہی اور میز پر کرسی کے قریب رکھ دیتی ہے)۔

نادر مرزا۔ نوشابہ! میری اچھی نوشابہ! اس وقت نہیں، کل تک انتظار کرو۔

نوشابہ۔ (شال اوڑھ کر) مگر میں اجنبی کے مکان میں کیسے رات بسر کر سکتی ہوں؟۔

نادر مرزا۔ آج کی رات؟۔

نوشابہ۔ یہ کیسے ممکن ہو (چلنے کی تیاری کر کے بیگ ہاتھ میں لے کر) مرزا، خدا حافظ، میں بچوں کو نہ دیکھوں گی، دایہ مجھ سے بہتر اُن کی خبر گیری کر سکتی ہے...... اس وقت تو میں اُن کے لئے مفید نہیں ہو سکتی ہوں۔

نادر مرزا۔ اچھا، نوشابہ! پھر کبھی؟۔

نوشابہ۔ یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں۔

نادر مرزا۔ کچھ بھی ہو، مگر تم میری بیوی ضرور ہو۔

نوشابہ۔ جی نہیں۔ بھاگ جانے کے بعد بیوی کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ میں بھی تمھیں سارے فرائض سے سبکدوش کرتی ہوں۔

سالے زائض سے۔ بالکل آزاد ...... لو، یہ تمھاری انگوٹھی واپس کرتی ہوں، تم مجھے میری واپس کر دو۔

نادر مرزا۔ لو یہ ہے۔

نوشابہ۔ لو یہ کنجیاں ہیں، صبح ثریا یہاں آئے گی، اور میری چیزیں جو میں اپنے گھر سے لائی ہوں، لے جائے گی۔

نادر مرزا۔ (حیران ہوکر) خدا کی پناہ!! نوشابہ!! کیا کہہ رہی ہو، کیا تمھیں کبھی میرا خیال نہ آئیگا؟

نوشابہ۔ میں اکثر تمھیں یاد کیا کروں گی۔

نادر مرزا۔ مجھے خط لکھنے کی اجازت دیتی ہو؟

نوشابہ۔ ہرگز نہیں کبھی ایسا نہ کرنا۔

نادر مرزا۔ مگر اسکی اجازت دو کہ میں تمھیں کچھ بھیج دیا کروں ......

نوشابہ۔ ہرگز نہیں ...... ہرگز نہیں ......

نادر مرزا۔ تمھاری تنگدستی میں مجھے مدد ......

نوشابہ۔ میں اجنبی سے مدد نہیں لے سکتی۔

نادر مرزا۔ کیا میں اب ہمیشہ اجنبی ہی رہوں گا؟

نوشابہ۔ (بیگ ہاتھ میں لیکر) محال معلوم ہوتا ہی۔

نادر مرزا۔ کیسے؟۔ نوشابہ۔ ہمیں ایک دوسرے کو بھید بدل جانا ہوگا...... مگر مرزا! اب مجھے ان عجیب باتوں کا یقین نہیں!۔

نادر مرزا۔ شاید ایسا ہو جائے۔ نوشابہ۔ شاید، پھر تو شاید ہماری!! شادی حقیقی ہو جائے۔ اگر این خیال است و محال است جنوں، خدا حافظ (وہاں سے باہر جاتی ہی)

نادر مرزا۔ (صوفے پر گر پڑتا ہی اور ہاتھوں میں چہرہ کو چھپا لیتا ہی) نوشابہ! نوشابہ!! (چاروں طرف دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہی)۔ خالی...... نوشابہ گئی۔

(دماغ میں امید کی ایک جھلک نظر آتی ہی)۔ سب سے عجیب بات ہی.........

نہایت حیرت انگیز بات ہی!۔

(دروازہ بند ہوتے ہوئے سنائی دیتا ہی)

باب ثانی ختم شد

انیس کی شاعرانہ خصوصیات
کو موازنۂ انیس و دبیر کے
حوالے سے ـ